

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226641

UNIVERSAL
LIBRARY

GOULD'S YOUTH'S NOBLE PATH

PART (I)

طریق سعاد

حصہ اوّل

جسکو

مولوی سید ضامن کتتوری
نے

ایف۔ جے۔ گولڈ صاحب کی کتاب یوتھس نو بل پاتھ سے
”ناب ناظم صاحب بہادر محکمہ تعلیمات ممالک ہر و شہ سرکار عالی ترجمہ کیا“

۱۷۰۵

LONGMANS, GREEN & Co. Ltd

53, NICOL ROAD, BOMBAY

6, OLD COURT HOUSE STREET, CALCUTTA

36A, MOUNT ROAD, MADRAS

LONDON

NEW YORK.

TORONTO

1937

Price Eight (8) Annas

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
۱	تکفل و استیصال	۱
۹	جہرات (۱)	۲
۱۶	جہرات (۲)	۳
۲۳	زندہ دلی اور خوش مزاجی	۴
۲۸	اپنے اوپر آپ بھروسہ کرنا	۵
۳۶	خود داری	۶
۴۴	ترتیب	۷
۵۰	تحمل و استقلال	۸
۵۷	سادہ زندگی (۱)	۹
۶۲	سادہ زندگی (۲)	۱۰
۶۸	انجام دینی	۱۱
۷۶	راست گوئی	۱۲
۸۷	خلوص	۱۳
۹۷	اصل اور نقل	۱۴

ب

صفحہ	مضامین	سبق	نمبر شمار
۱۰۶	دوسروں کی نسبت رائے زنی	سبق پذیر ہوا	۱۵
۱۱۳	سنگس مرزا جی (۱)	سبق سلجھوا	۱۶
۱۱۹	سنگس مرزا جی (۲)	سبق ستر ہوا	۱۷
۱۲۷	علم کی فتح	سبق اٹھا ہوا	۱۸
۱۳۴	علم طب	سبق انیسواں	۱۹
۱۴۳	گھوڑے کی قربانی	سبق بیسواں	۲۰

طریق سعادت

سبق پہلا

تحفظ و استیصال

جتا جو سپاہی تلوار ہاتھ میں یہے مٹائے کو جاتا ہے ایسا جنگجو تاتا روں کا
سردار، تیمور، تھا جس نے لاکھوں آدمیوں کو قتل کیا۔ اور ان کے سردوں کے مینا جگا
راج یا سمار ایک مکان کا نقشہ نیا کرتا، زمین پر رنگ ڈالتا، اور بنیاد کھودتا
ہے۔ اُس کے اور اُس کے ساتھیوں کے مشغول ہاتھ کسی کسان کا جھوٹا یا کسی
شاہزادے کا محل بناتے ہیں۔ یا کسی محبوبہ کا عالی شان مقبرہ تعمیر کرتے ہیں، جیسے
آگرہ کا تاج محل۔

کیا مٹانا ہر حالت میں شرابے؟ ہندوستان کے پچھو اگر تمہارے دست باز و طاقتور
ہوں تو کیا تم ہمیشہ بنا باہی کرو گے یا کبھی مٹاؤ گے کئی؟ اور اگر مٹاؤ گے تو کب مٹاؤ گے۔
ایک شیر خوار بچہ ایلو پلے کی جھاڑیوں میں پڑا ہوا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ زندہ
بچے گا۔ اُس کی ماں اسکو مرنے ہی کے لئے یہاں پھینک گئی ہے۔ مگر وہ رہی تیری

قدرت اجمالی کے پھولوں سے شہد کی بوندیں اُسکے حلق میں پکتی ہیں، اور وہ
 انھیں پی کر زندہ رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک نیک دل عورت شیعو کے مند-
 میں پوجا کرنے آتی ہے جو اسی جھاڑی کے قریب واقع ہے۔ جب اُسکی اہل اس معصوم
 بچہ پر پڑتی ہے، رحم کا مبارک جذبہ جوش میں آتا ہے اور وہ اس مہول النسب لڑکے کو اٹھا
 کے اپنے شوہر پاس لاتی ہے، وہ بھی اُسے دیکھ کے خوش ہوتا ہے، کیونکہ اُسکی گھر والی کے
 کوئی بیٹا نہیں ہے اور اب بھی لاوارث طفل جھاڑی سے اٹھا کے آیا ہے۔ اُسکا منہ بولا بیٹا
 یہ بیچ ہے کہ وہ ہمسایوں کے ڈر سے خود اُسکو دیکھ بھال کر سکتے تھے۔ اسلئے کہ
 وہ لوگ ایک بد نسیب بچے کی پرورش کرنے کے باعث اُنکو بڑا بھلا کہتے تھے۔ اُنکو اپنے
 بھالی بندوں کے خیالات و رسومات کے خلاف عمل کرنے کی جرأت نہ تھی۔ اسلئے اُنھوں
 سوشی خانہ میں ایک پالنا ڈلوادیا تھا ایک بیچ ذات عورت کو اُسکی پرورش کیلئے مقرر کیا
 جب لڑکا پانچ سال کا ہوا۔ اُسکے ہاتھ پاؤں میں طاقت اور عقل میں کی قدر روشنی
 مئی تو اُسنے اپنے مہنوں کو ضامنا کبہ کے راہ سفر اختیار کی۔ گھرنے پل کے پہلے
 وہ ایک تار کے درخت کے نیچے ٹھہرا۔ معام ہوتا تھا کہ یہ درخت بھی اُس سے محبت
 کرتا اور اُسی طرح خبر گیری کرنی چاہتا ہے جیسے وہ عورت جو اُسکو جھاڑی سے اٹھا کے
 لے گئی تھی۔ ہر چند درخت بہت بلند تھا اور یہ اُمید نہیں ہو سکتی تھی کہ پتوں کا سایہ تمام دن
 اُس لڑکے پر رہے گا۔ مگر کہنے میں کہ یہ سایہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹا۔ اور دن بھر اُسکو ڈھونڈتا
 اب سوال یہ ہے کہ اُس عورت نے کیوں اُس لڑکے کی پرورش و نگہداشت کی؟

تار کے درخت نے کیوں اُسکو دھوپ سے بچایا؟ اس لیے کہ اُس زندگی اور اُس کا وجود قیمتی تھا لیکن اُس کا وجود قیمتی کیوں تھا؟ کیونکہ یہی لڑکا جس کا نام **ترو اور** تھا بڑا اہم کے حامل زبان کا ناسور اور محترم شاعر ہونے والا تھا جسے مشہور و معروف **نظم کو رال تعینف** کی۔

مختصر یہ کہ دُنیا میں بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی حفاظت کرنی چاہئے کیونکہ وہ دُنیا کو بشارت دینے والی ہیں۔ اگر ہمارے دست و بازو قوی ہوں تو خوش ہونا چاہئے کہ ہم سچائی، حُسن اور نیکی کی مدد کر سکیں گے اور اُنکو فنا اور نقصان سے بچائیں گے۔ مگر جو محافظت کرتے ہیں انھیں کو کبھی بٹانا بھی پڑتا ہے۔ **ترو اور** جسے دُنیا کو سنہری ہدایتیں کیں اور اُنکو اپنی تعلیم سے روحانی غذا پہونچائی لڑنا اور ہلاک کرنا بھی جانتا تھا۔ تم پوچھو گے کہ وہ کس سے لڑا اور اُس نے کس کو ہلاک کیا؟ اُس نے **کا دیر می پالم** کے دیو کو مارا!

کہتے ہیں کہ **کا دیر می پالم** میں ایک بہت بڑا زمیندار تھا جسکے پاس ایک ہزار ہل اور بہت سی زمین تھی اور وہ بہت بڑا لاشکار تھا۔ اُسکے گاؤں میں ایک دیو کا گزر ہو گیا۔ اُس نے ساری بستی کو خوف زدہ اور تنگ کر دیا۔ ہر سے بچ بھیتوں کو اکٹھا کر بھینکتا اور مویشیوں کو ہلاک کر ڈالتا، جس کے باعث **کا دیر می پالم** کے باشندے اکثر منہموم رہا کرتے تھے۔

زمیندار کہتا تھا کہ جو بہادر ہلو اس دیو سے نجات دلائے گا میں اُسکو مکان

زمین اور نقد جنس انعام دو ٹکھا۔ ایک مدت تک کوئی ایسا بہادر پیدا نہ ہوا جو اس کام کی حامی بھرے۔ آخر زمین ار نے اُن گیا نیوں سے مشورہ کیا جو مانگے پہاڑ پر رہتے تھے کہ اس بارے میں کیا کرنا چاہئے؟ سب نے جواب دیا کہ تر اور لور کے پاس جاؤ۔

زمینہ اُس نو عمر شاعر کے پاس گیا اور اس سے مدد کا طالب ہوا۔ تر اور نے تھوڑی سی راکھ لے کر اپنی بٹیلی پر جمائی۔ اُس پر پانیچ، پتھر لکھے اور کچھ منتر پڑھ کے دم کئے۔ پھر اُس راکھ کو ہوا میں اڑا دیا۔ اُن حروف اور منتروں کی تاثیر سے دیو ہلاک ہو گیا۔ کاریری پالم کے باشندوں کو اُسکے شہر سے نجات ملی اور اُسکے دل خوشی سے باغ باغ ہو گئے۔ جب تر اور دورہ میں آیا لوگوں نے اُسکی نصیحت آمیز نظم کو رال کو

سننے کے شوق میں اُسکے گرد ہجوم کیا اور ایک ایسے لڑکے کی زبان سے جو اونپے کی جھاڑی میں پڑا ملا تھا یہ اور اسطرح کے اور الفاظ سن کے بے حد متاثر ہوئے۔
 ”دونوں جہاں میں تلاش کرو گے“

”جب بھی کوئی نیکی رحم و کرم سے پڑھ کے نہ پاوگے“

گویتا لاپ کے کنارے جس کے صاف و شفاف پانی میں کنول کے خوشنما پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے، ایک تخت پر چند شاعر بیٹھے تھے۔ ان شاء و نکو بہ گوارا نہ ہوا کہ ایک بیچ ذات شاعر کو اپنی صحبت میں شامل کریں اسلئے اُنھوں نے دیر تک اُٹھے بیٹھے سوالات سے تر اور کو عاجز کرنے اور اُسکی غلطی کپڑنے کی کوشش کی جب اسطرح

کچھ کامیابی نہ ہوئی تو سب نے کہا کہ "اوبد نسلے! تو اپنی نظم اس تخت پر رکھ دے
 اگر وہ درحقیقت سچائیوں اور خوبیز کا مجموعہ ہے تو تخت تیری ہی نظم (کو رال) جگہ لگا
 یہ سن کر تر والور نے اپنی نظم تخت پر رکھ دی۔ قصہ میں ہے کہ تخت استغریٰ
 کہ اس کاغذ کے سوا کسی اور چیز کے لئے جگہ نہ رہی۔ دورہ کے انچاس شاعر جو اسپر
 بیٹھے تھے سب کے سب تالاب میں گر پڑے اور کچھ پانی میں لت پت ہو کر نہایت
 ذلت اور زحمت کے ساتھ اُس میں سے نکلے۔ کتنے ہیں کہ جو وقت سے دورہ کے
 ان انچاس شاعروں کو ذلت نصیب ہوئی اس وقت سے اب تک تامل زبان
 بولنے والے نظم کو رال کو نہایت پسندیدگی اور وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔
 بتاؤ کہ دیو کا ہلاک کرنا جائز تھا یا ناجائز؟ بے شک جائز تھا۔

اچھا دورہ کے انچاس شاعروں کا تالاب میں گر جانا کیسا تھا وہ بھی اچھا
 تھا اس لئے کہ یہ انچاس آدمی اپنی اور اپنی ذات پر مغر و سادہ رینج ذات لوگوں کی اہانت
 کرنے پر نازاں تھے۔ اس دنیا میں اچھی چیزیں بھی ہیں اور بُری بھی۔ بلکہ لازم ہے کہ
 کی نگہداشت اور حفاظت اور بُرائی کی بیخ کنی اور اہانت کی کوشش کریں
 تر والور جو بہت بڑا شاعر تھا اُس نے بھی یہی کیا، اور وہ لوگ بھی یہی کر سکتے
 ہیں جو اعلیٰ درجے کی دلکش اور پُر مغز نظمیں لکھنے پر قادر نہیں ہیں۔

جس طرح تر والور نے بُرائی کو اچھالی سے الگ کیا اسی طرح اُس کی بہن
 اوائی نے بھی کیا۔ ایک دن وہ پرانی گدگدہ کی ایک گل میں پختی ہوئی تھی

کہ تین شخص اُدھر سے گزرے۔ اُن میں ایک راجہ تھا اور دو شاعر۔۔ جب راجہ اداوی کے قریب پہنچا تو اُس نے تعظیماً اپنا پاؤں کپینچ لیا۔ اسی طرح جب ایک شاعر قریب آیا تو دوسرا پاؤں بھی کپینچ لیا۔ مگر جب دوسرا شاعر اُس کے برابر آیا تو اُس نے دو نو پاؤں پھیلا دیے۔ یہ ظاہر اداوی کا یہ فعل خلاف تہذیب تھا۔ مگر بے سبب نہ تھا۔ اداوی اداوی تھا کہ یہ شاعر نیا ہوا ہے۔ وہ اپنے تئیں بڑا ذکی اور قابل ظاہر کرتا ہے مگر دراصل ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ جب اداوی کی اس حرکت سے کسی قدر ناخوش ہوا تو اداوی نے اُس سے کہا اچھا تم مجھے ایک شعر نظم کر دو۔ جس میں جگہ عقل کا لفظ آئے شاعر نے بہ مشکل ایک شعر سراپا کیا مگر عقل کو دو ہی جگہ کہہ پاسکا۔ تب اداوی نے اس سے ہنس کر کہا کہ یہاں تیری عقل، کیوں کھوئی گئی۔ عرض اُس نے شاعر کو شرمادیا اور جھوٹے کو گھرتک پہنچا دیا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اداوی کو اپنی اس خلاف تہذیب برتاؤ سے کچھ مسرت حاصل ہوئی ہوگی؟ ہرگز نہیں! مگر وہ مجبور تھی اُس کو بناوٹ اور خود نمائی سے نفرت تھی۔

پس ہلکے چابٹے کہ شریفین و سعید کے قدم بہ قدم چلیں اور رذیل و کینہ کی صحبت سے دور بھاگیں۔ جیسا کہ اداوی نے کہا ہے کہ:-

”اچھے لوگ اچھوں کے ساتھ رہتے ہیں جیسے ہنس کی، لطافت طبع آسکو
تالاب کی طرف مائل کرتی ہے۔ جہاں کنول کے خوشنما پھول کھلتے ہیں،“
”اسی طرح بُرے بروں کی صحبت ڈھونڈتے ہیں جیسے گد، مروار کی

یو سے بد پر گرتا اور اُس نجس غذا کو قوت جان سمجھتا ہے۔"

ہندوستان کے بہادر بچو! اب یہ بتاؤ کہ کون سی بری چیزیں ہیں جن کو دفع کرنا تمہارا اور دنیا کے دوسرے بہادر بچوں کا فرض ہونا چاہئے۔

آدمی کا فرض ہے کہ انسان کو نقصان پہنچانے اور ہلاک کرنے والے صحرائی درندوں، زہریلے کیڑوں، اور طاعون پھیلانے والے چوہوں اور مچھروں کے خلاف جنگ کرے یعنی اُن کو دفع کرنے کی کوشش کرے۔

اُس کا فرض ہے کہ طغیانوں کی روک کرے۔ پُر زورندوں پر پیل اور پُر شعور دریاؤں کے مستحکم بند باندھے۔

اُسکو چاہئے کہ مضبوط جہاز بنائے جو وسیع سطح سمندر پر چلیں اور طوفانی موجوں اور بادِ تند کے جھونکوں پر غالب آئیں۔

اُسکو چاہئے کہ مرطوب مقامات سے پانی بدروں کے ذریعہ سے نکالنے کا انتظام کرے گلیجیا اور بخار کے مہلک امراض کو دفع کرے جو اکثر مرطوب مقامات میں پیدا ہوتے ہیں۔

اُس کو چاہئے کہ لائق و حاذق طبیبوں کو بھیج کر بیماریوں کو شفا بخشوائے اور ہر مضر صحت اور بیسیوں کی آب و ہوا کو بگاڑنے والے اسباب کو دور کرے۔ اُسکو چاہئے کہ اپنے ملک سے بلکہ دنیا کے ہر ملک سے افلاس کو دور کرے۔

جو فاقہ کشی کا باعث ہوتا ہے حتیٰ کہ غریب مائیں اپنے بچوں کو بیچنے سے تیار دیکھتی

اور کلچر مسوس کے رہ جاتی ہیں۔

برخلاف اُسکے وہ کیا چیزیں ہیں جن کی آدمی کو حفاظت و نگہداشت کرنی چاہئے
 آدمی کو چاہئے کہ آدمی کی جان کی حفاظت کرے کیونکہ ہر چیز جو عدم سے وجود
 میں آتا ہے اُس کا وجود قیمتی ہے۔

آدمی کو چاہئے کہ اغذیہ کی کیمت اور پانی کی لطافت کی حفاظت کرے
 تاکہ اُن میں کوئی مضر صحت چیز شامل نہ ہونے پائے۔

اُسکو چاہئے کہ جن مکانوں میں آدمی بستے ہوں اُس کی محافظت کرے
 تاکہ دیواریں اور چھتیں کیمینوں کو آندھی پانی اور دھوپ سے بچائیکے قابل رہیں۔
 اُسکو چاہئے کہ درختوں کی۔ پھولوں کی۔ اور ہر ایسے پودے کی حفاظت کرے
 جو جسم کو غذا یا روح کو فرحت بخشنے والے ہیں۔

اُسکو چاہئے کہ مقدس معبدوں۔ نفیس مجسموں۔ خوشنما بیوروں۔ خوبصورت
 برتنوں۔ نادر قالینوں۔ دلکش گیتوں۔ اور دلاویز نظموں کی محافظت کرے کیونکہ
 یہ سب چیزیں اپنے حُسن سے ہمارے دلوں میں سسرت پیدا کرتی ہیں۔

اُسکو چاہئے کہ اپنے ملک کے کارآمد حیوانات کی حفاظت کرے جو اُس کے
 وفادار خادم ہیں۔ گھئی دو دو دیتے زمینوں کو جوتتے اور بار برداری کرتے ہیں۔
 بالآخر سب سے بہتر اور مقدم فرض انسان کا یہ ہونا چاہئے کہ انسان کے دل
 کی محافظت کرے جو محبت کرتا ہے۔ دماغ کا جو سوچتا ہے۔ اور ایسے باقہر کی جو کرنے کام کرتا ہے

سبق دوسرا

جرأت (۱)

تم پانی میں گر گئے! میل کی کثرت اور قوت نے تم کو خوف زدہ نہیں کیا!
 تم نے ہاتھ پاؤں مارے دامن ہے اُس اُستاد کا جس نے تمہیں تیرا سکھایا
 موجوں کا مقابلہ کیا اور پانی سے بچ کر نکل گئے۔ یہ تم نے بہاوری کی!
 تم سو رہے ہو! دفعۃً غل ہوا! آگ لگی اس صدا نے تمکو چونکا دیا۔ تم
 اپنے بستر سے اُٹھے اور بلاخیز شعلوں کو لپکتے دیکھا۔ مگر تمہارے دل مایوسانہ شہت
 اور خوف طاری نہیں ہوا بلکہ تم دھوئیں میں۔ انگاروں میں شعلوں میں کودتے
 پھانڈتے نکل گئے یہ جرأت ہے!

میں ایک بار ایک مدرسے میں گیا جہاں انگریزوں کے ننھے ننھے بچے رہتے
 اور پڑھتے تھے۔ ان کی عمریں تین برس سے سات برس تک کی تھیں۔ ان
 میں لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی۔ کوئی کچھ بڑھا تھا۔ کوئی نقندہ نوہی
 میں مشغول تھا۔ کوئی کہانیاں سننا تھا، اور کوئی گانا تھا۔

معلم نے مجھ سے کہا، "آؤ آگ لگنے کا الارم (اطلاع) دیکر ان بچوں کو آڑا میں"
 یہ کہہ کے اُس نے سیٹی بجائی بچے فوراً کتاہیں۔ ہنسل۔ جالی بننے کی سیوئیاں

عقلمندوں کے ہاتھ میں تھا پینک پھانک کھڑے ہو گئے اور معلمہ کے اشارے پر ایک کے پیچھے ایک نکل کر صحن کی طرف بھاگے۔ چند لمحوں میں جماعت کا کمرہ خالی ہو گیا۔ وجہ یہ کہ اُن بچوں کو آگ کے خطرے کا مقابلہ کرنا اور جرأت سے کام لینا سکھایا گیا تھا۔ تم کس لئے تیرے؟ اپنے لیے۔

تم نے کس کے لیے آگ کے شعلوں کا مقابلہ کیا؟ اپنے لیے۔
بچوں نے کس کے لیے آگ کا خطرہ جھیلنا؟ اپنے لیے۔

ان تینوں مثالوں میں جرأت کا اظہار اپنے نچاؤ کے لئے کیا گیا ہے۔ کیا اس میں کوئی قباحت ہے؟ ہرگز نہیں۔ اپنی جان بچانا اور اُس کی حفاظت میں جرأت دکھانا بالکل واجبی ہے۔

اب میں تم کو مادھو کا قصہ سناتا ہوں جو کتب بھوا بھوتی میں درج ہے۔ مادھو ایک مندر کے باہر سری ٹیک کر رہا ہے۔ ناگاہ اُسکے کان میں فریاد کی دردناک آواز آتی ہے۔ وہ گھس پیٹھو کہ مندر کے اندر داخل ہوتا ہے اور چنڈا دیہی کی قربانگاہ تک پہنچ جاتا ہے۔ یہاں کیا دیکھتا ہے کہ ایک مظلوم عورت اس خونخوار دیہی کو کینٹ چڑھائے جانے کیلئے سر جھکائے کھڑکی موت کا انتظار کر رہی ہے۔ یہ مظلوم عورت مالتی ہے۔ اس بیماری کو سوتے میں اٹھالائے ہیں۔ قربان گاہ کی اس کوٹھری میں یادہ ہے یا پوجاری اور پوجان۔ ادھر پوجاری اس کے قتل کو خواہتا ہے، ادھر مالتی کو مادھو کا خیال آتا ہے جس سے وہ محبت

کرتی ہے۔ اسکی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوتے ہیں:-

”اے مادھو! اے میری جان و دل کے مالک! کیا مرنے کے بعد بھی میں تیری

یا اپنے دل میں رکھ سکتی ہوں کہتے ہیں کہ جن کو عشق اپنے

آغوش شفقت میں لے لیتا ہے وہ کبھی نہیں مرتے۔“

مالتی ابھی یہ کہہ رہی تھی کہ مادھو شیر سا چھپٹ کے قربان گاہ تک پہنچا۔

پہلے پوجاری میں اور اُس میں کچھ زبانی رد و بدل ہوئی، پھر دونوں بیس گتھ گئے

اور مار ڈھکا ہونے لگی۔ اس طرح مالتی کی جان بچی۔

بتاؤ کہ مادھو نے کس کے لئے جرأت دکھائی اور کس کے واسطے لڑا؟ کیا

اپنے لئے؟ تم کہو گے کہ ”ہاں اپنے لئے لڑا“ مگر کیا اُس کی جرأت کی عمرک صرف

ذاتی عرض تھی؟ نہیں بلکہ اس نے محض ایک بتلائے معیت انسانکے پجانے

کے لئے جرأت سے کام لیا تھا۔ کیونکہ اُسکے کان میں فریاد کی ایک آواز آئی تھی۔

جسے وہ نہیں مانتا تھا کہ کس کی آواز ہے۔ مگر اُسی آواز کو سنکر اُسکا بہادر دل گرما تھا

علاوہ بریں اگر تم غور کرو گے تو بہت سے ایسے واقعات تم کو یاد آجائیں گے

جنہیں اسبطح کی جرأتیں دکھانے ہوئے تم نے لوگوں کو دیکھا ہوگا۔ تم نے اکثر دیکھا ہوگا

کہ کوئی مرد یا عورت یا لڑکا کسی دوسرے انسان کو قتلانے معیت دیکھا اُسکی مدد کو

پہنچا ہے۔ تم نے اخباروں اور تاریخوں میں بھی اسی طرح کے بہادرانہ واقعات کی

مثالیں پڑھی ہونگی۔ ایسے کارناموں کو سنہرے، کارنامے کہتے ہیں۔

علم سنتے ہو گئے کہ آگ بجھانے والے (فیرمین) کس طرح لوگوں کو جلتے ہوئے گھروں سے نکالتے ہیں۔ کان کنس طرح معاون کی سرنگوں میں اُتر کے اپنے ساتھیوں کو پانی کی طینانی، آگ یا زہریلی گاسوں سے بچاتے ہیں۔ تم یہ بھی سنتے ہو گے کہ بعض بہادر کس طرح جرأت کو کام میں لا کے زلزلے سے دہلے ہوئے مکانات میں گھس پٹھکے گرتی ہوئی دیواروں اور چھتوں کے خطرے کو خاطر میں نہ لا کے بے کس غریبوں کو اٹھا لاتے ہیں جو بغیر ان کی امداد کے وہیں دب کر مر جاتے تم نے ان بہادر شہریوں کا بھی ذکر سنا ہوگا جو اپنے شہر اور اپنی بانی وطن کے لیے دشمن کا مقابلہ کرتے، بھوک پیاس کے مدھے سہتے۔ زخم اٹھاتے اور جانیں گنوا لے ہیں۔ غرضکہ:-

(۱) ایک وہ جرأت ہے جو اپنی ذات کے لئے ہو۔

(۲) اور دوسری وہ ہے جو اپنے ہم جنسوں اور اپنے ہم وطنوں کے لئے ہو۔

میں تم سے ایک بہادر کا قصہ بیان کرتا ہوں جس کا نام دروغی شن تھا۔

وہیں جو انہوں نے ایک خطرے کا مقابلہ کیا مگر یہ خطرہ جان کے خطرے سے بھی بڑھ

کے تھا اس نے ہلاک شاہ کے قبر و غضب کی پروا نہ کر کے اسے نصیحت کی جو دوسروں سے ناممکن تھا۔

راؤن لڈکا کارا کس راجہ تھا جس کے دس سر تھے۔ یہ سری رام جی کی استری

ریتا کو اسکے شوہر کے غیب میں اٹھا لے گیا اور لڈکا (سیلون) لے جا کے اپنے

محل میں رکھا یہ محل اور باغ ہمیں رانی سیتا رکھی گئی تھی نہایت عالیشان اور پُر فراتھی

لیکن پھر بھی سینا کو اپنے شوہر کی جدائی اور اُس کے خیال میں آرام اور خوشی نصیب نہ تھی۔
 فتحمندر رام کو بندروں کے راجہ ہنومان کی زبانی معلوم ہوا کہ سینا کو راون نے لے
 جا کے فلاں مقام پر قید کیا ہے۔ وہ اپنے سعادت مند بھائی کچھن کو ہمراہ لیکر ایک
 بہت بڑی فوج کے ساتھ اپنی پیاری لانی کی رہائی کے لئے روانہ ہوئے۔
 راؤن کو رام کی آمد کی اطلاع ملی اور اُس کا دل خوف سے تھمرانے لگا۔
 راؤن کو نصیحت کرنے والے دو طرح کے تھے۔ چنانچہ مصاحبوں اور درباریوں کے
 ایک خوشامدی گروہ نے اُس سے یہ تقریر کی کہ:-

”کوئی اندیشہ کی بات نہیں ہے، مہاراج فکے مند نہ ہوں! حضور نے دیوتاؤں اور
 راکسوں کو زیر کیا ہے۔ رام اور اُس کے ساتھ ہمارے بندروں کی فوج پر فتح پان لگتی ہے، باتیں
 جب یہ خوشامدی مشیر چابلو سی کی باتیں کر کے جا چکے تو راون کا بھائی، جو بھی سن دہ بارہ
 میں حاضر ہوا۔ پہلے حسب دستور دونوں گھٹنے ٹیک کے آداب بجالایا پھر اُس کے
 راج گڑی کے داہنے اپنی معمولی جگہ پر آ کے بیٹھا۔ اور راون سے مخاطب ہو کے کہنے لگا
 ”بھائی صاحب! اگر آپ عیش و عشرت کے ساتھ مہر گرنے اور خود خفا جزیرہ
 لنکا کی حکومت کو باقی رکھنے کے آرزو مند ہیں تو سینا کو رہا کر دیجئے۔ اس لئے کہ وہ دوسرے
 کی جو رہے۔ رام کے پاس جائیے اور اُس سے معذرت چاہئے۔ اس کا قبول معذرت
 میں تامل نہ ہوگا۔ دیکھئے غرور اور خود داری کو چھوڑ دیجئے!!“

ایک عقلمند شخص جبکا نام ملیان تھا اس تقریر کو سن کر خوش ہوا اور راجہ سے

خطاب کر کے بولا:-

”اپنے بھائی کی گفتگو گوش دل سے سنیئے اور اس پر عمل کیجئے کیونکہ جو اپنے
کہا ہے سچ کہا ہے“

راجہ نے جواب دیا:- ”تم دونوں بد طبیعت ہو اس لئے تم ہمارے دشمن کی
طرف فرار ہی کرتے ہو۔“

یہ کہا اور اُسکے دس سروں کی آنکھیں غصہ سے اس طرح چمکنے لگیں کہ ملیاؤں
ڈر کے دربار سے بھاگ گیا۔ مگر وہ بھی شن جو فطرتاً بہادر تھا بیٹھا رہا اور اُس نے کہا
”مہاراج! ہر انسان کے دماغ میں عقل اور بے عقلی دونوں ہیں۔ اگر عقل نے

اُس کا ساتھ دیا تو اُسکی زندگی لطف کے ساتھ بسر ہوتی ہے، لیکن اگر بے عقلی اُسکی
رہنما ہوئی تو پھر زندگی بے لطف ہے۔ بھائی صاحب مجھے اندیشہ ہے کہ بے عقلی نے
آپ کے دماغ میں گھر کیا ہے۔ اور آپ اُن لوگوں کی باتوں پر کان دیتے ہیں جو آپکو
اچھی نصیحت نہیں کرتے۔ یہ لوگ آپکے سچے دوست نہیں ہیں۔“

یہ کہہ کے وہ بھی شن نے راون کے قدم پکڑ لیے مگر راون نے جھک کر کہا:-
”بد ذات! تو بھی ہمارا دشمن ہے۔ یہودہ باتیں مت کر اگر تجھے ایسی ہی باتیں کرنا
ہیں تو جو گیوں سے جا کے کر نہ کہ ایسے شخص سے جو ہر دشمن پر جس سے وہ لڑتا ہو

فتح پاتا ہے“ یہ کہہ کے اُس نے وہ بھی شن کے ایک ٹھوکرا رسید کی۔ وہ بیچاہ دہاں
دل گرفتہ اٹھا اور اپنے لائق بھائی کے گھر کو خیر باد کہہ کے اُس کے دیس سے نکل گیا

چونکہ وہ بھی شن کی فطرت میں جرأت تھی اُس نے راؤن سے کھلے لفظوں میں جو
 بیچ تھا کہہ دیا۔ اور جب اُس دس سروں والے نے اُس کی بات نہ مانی تو وہاں کا تیر
 مناسب نہ سمجھا۔

یہ جمائی جرأت تھی کہ وہ زدکوب کی برداشت کرنے پر آمادہ ہوا نیز یہ روحانی
 جرأت بھی تھی اس لیے کہ اُس نے ایسے الفاظ کہنے کی ہمت کی جو دوسرے درباری
 نہیں کہہ سکتے تھے۔ حالانکہ وہ جمائی جرأت کے اعتبار سے کسی طرح، وہ بھی شن یہ
 کم نہ تھے۔ اس روحانی یا دلی جرأت کو ہم اخلاقی جرأت کہتے ہیں۔

یہی جرأت حضرت موسیٰ میں تھی جو یہود کے پیغمبر تھے اور جنہوں نے مصر کے
 فرعون سے کہا تھا کہ تمام یہودیوں کی غلامی سے آزاد کر دے۔

یہی جرأت حضرت محمد پیغمبر اسلام میں تھی جنہوں نے اپنے مذہبی خیالات کو جاہل
 عربوں کے سامنے آزادی کے ساتھ بیان کر کے ان کی ہدایت کی اور ہر چند آپ
 کو قتل کی دہلیاں دی گئیں مگر آپ تبلیغ امر حق سے باز نہ رہے۔

یہی جرأت مہاتما برہم میں تھی جنہوں نے اہل ہند کو سعادت کی ایک نئی راہ
 دکھائی اور ان خبیث اراحوں سے خابنہ نہ ہوئے جو شجر مقدس کے نیچے آپ کی
 مزاحم ہوئی تھیں۔

یہی جرأت حضرت عیسیٰ میں تھی جنہوں نے لوگوں کو حکم دیا کہ ایک دوسرے
 سے محبت کرو اور حاکم یروشلم کی دہلیوں سے نہ ڈرے جو آپ کو غلط تلقین کرنے

سے منع کرتا تھا۔ ورنہ ان رومیوں کا خوف کیا جنہوں نے آپکو صلیب پر چڑھا دیا
 بالفرض جبرأت کی تین قسمیں ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔ ایک وہ جبرأت جو اپنی ذات
 کے لیے ہو۔ دوسری وہ جبرأت جو اپنے ہمسائے کی مدد کرنے اور اپنے شہر وطن کی آغا
 کے لئے ہو۔ تیسری جبرأت اخلاقی جو غلط کار اور بکر دار کا مقابلہ کرتی ہے اور جس کی
 وجہ سے آدمی ایسی باتیں کرتا ہے جن کو وہ سچ اور حق سمجھتا ہے۔ یعنی وہ جبرأت
 جو حق گوئی پر آمادہ کرتی ہے۔

سبق تیسرا

جبرأت (۲)

ایک بار راجہ ملوڑہ کے پہاڑی ملک پر کسی غنیم نے چڑھائی کی اور اُس کو
 راج بھرتی کرنے کی ضرورت پڑی۔ بہت سے آدمی آ کے نئی رجنٹ میں داخل
 ہوئے اور ہر ایک کو ایک ایک عمدہ تلوار دے کر مسلح کیا گیا۔

راجہ نے فوج کو حرکت داریج کا حکم دیا۔ حکم کے ساتھ فوج نے حرکت کی اور
 ان نئے سپاہیوں نے بشدہ و مد شپا شپ تلواریں میمانوں سے کھینچ لیں۔

راجہ نے پوچھا کہ یہ کیا حرکت تھی؟ سپاہیوں نے جواب دیا حضور ہم جانتے
 ہیں کہ پہلے ہی سے دشمن کے مقابلہ کو تیار ہو جائیں۔

راجہ۔ ”بزدل۔ نامردو! تم میرے کام کے نہیں ہو اپنے اپنے گھر کی راہ لو“

دیکھو راجہ نے ان سپاہیوں کی تلواریں میان سے چھیننے اور شور ہنگامہ کرنے پر مطلق خیال نہ کیا۔ وہ جانتا تھا کہ سچی جرأت کے لئے تلواروں کی چمک، نیزوں کی لچک اور فولاد کی کھڑکھڑاہٹ کی حاجت نہیں ہے۔

ذیل میں جو قفقہ پہ سلسز نامی جہاز کا لکھا جاتا ہے اُس سے تم کو معلوم ہوگا کہ اہل جہاز نے کس خاموشی سے کام کیا۔ اور پھر بھی ایک ہولناک بحری خطرے کے درمیان انہوں نے کیسی بہادری اور جرأت دکھائی۔

سال ۱۹۱۷ء کے ماہ مارچ کی آخری تاریخوں میں اسکاٹ لینڈ کا ایک جہاز آسٹریلیا سے کچھ مسافروں کو لیکر آس امید جا رہا تھا۔ اُس وقت آسمان پر کہیں بادل کی چھینٹ بھی نہ تھی۔ اور سمندر کا نیلگوں پانی بالکل ساکن تھا جب آسٹریلیا کے مغربی ساحل سے چھ میل دور ہو گیا اُس وقت ایک نغفی چٹان سے ٹکرنے پہلے تو کچھ شور غل ہوا کیونکہ لوگ ادھر سے ادھر یہ دیکھنے کیلئے دوڑ رہے تھے کہ واقعہ کیا ہے اور ہر طرف سے سیٹیاں بجائی جا رہی تھیں۔ مگر یہ شور خود کھراہٹ کی بنا پر نہ تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک آواز اس سرے سے اُس سرے تک گونج گئی کہ۔

”کشتیوں میں سوار ہو جاؤ“

کچھ لوگوں نے محافظ جان پٹیاں کمروں سے باندھ لیں کہ اُن کی مدد سے تیر سکیں۔ اسی حالت میں ایک اندھا اور اُسکا ملازم تختہ جہاز پر سے گزرتے تھے

ہر شخص اُن کو راستہ دے دیتا تھا کہ پہلے یہ نکل جائیں۔ اندھا سزا اور ذیہمت تھا اور اس کا مستحق تھا کہ جو صحیح اور توانا تھے وہ اُس کا لحاظ کریں۔

آدھے گھنٹے میں سب مسافر و ملاح کشتیوں میں چلے گئے اور جہاز غرق ہونے لگا۔ کشتیاں ساحل کی طرف چلیں اس حالت میں ایک عورت نے گانا شروع کیا اتنے میں ایک پر شور و موج نے کشتی کو ٹکرا دی عورت ذرا کی ذرا خاموش ہوئی مگر فوراً ہی پھر اُس کی آواز اونچی ہوئی اور یہ بول سنائی دیئے:-

”ساحل کے جانب بڑھے چلو ہاں بڑھے چلو ملا جاو“

منجہد بار سے کشتی پار کرو ہاں بڑھے چلو ملا جاو،

اس کی ہمت بڑھانے والی آواز کو سُن کر ملاحوں میں ایک تازہ روح پھٹک

اور وہ زیاد مستعدی سے کشتیوں کو کھینے لگے۔

اس ساحل پر روشنی کا ایک مینار تھا اور محافظان مینار نے جہاز کو ٹوٹنے اور غرق ہونے دیکھا تھا۔ اس لیے انہوں نے مینار پر روشنی کر دی تھی جب کشتیاں لنگر گاہ پر پہنچیں مردِ پانی میں کود پڑے اور ہاتھوں ہاتھ اُس خاتون کو گود میں اٹھا کے خشکی پر اس طرح پہنچا دیا کہ اُسکی نعلین کو بھی بانی سس نہ کر سکا۔

کپتان کی کشتی سب سے آخر میں آئی۔ دو تین روز تک یہ معیبت زدے روشنی کے مینار اور دوسرے مکانوں میں جو ان کے لئے خالی کر دیئے گئے تھے پناہ گزین تھے۔ چار سو پچاس آدمی اس جہاز پر تھے جو سب کے سب بچ گئے اور ایک بھی غرق نہ ہوا

اطینان سے ملی ہوئی جرأت نے جس کو حرم کہتے ہیں اُنکی جانیں بجائیں۔
 اب ہم تم سے اور ایسی مثالیں حزم کی بیان کرتے ہیں جس سے دنیا میں بڑے بڑے
 کام ہوئے ہیں اور پھر نہ ان کے لئے جنگ و جدال کرنی پڑی اور نہ تیسرا ونسے کام لیا گیا
 پانچ سو نفوس کی آبادی کا ایک گاؤں تھا اور اُسکے نیچے بہت بڑا دریا بہتا تھا
 اس وقت تک اُس گاؤں کے باشندوں نے مہاتما بدھ کے اقوال نہیں سنے تھے
 اچھے مہاتما نے وہاں چل کر اُن کو طریق سادت کی طرف رہنمائی کرنی جی میں
 ٹھکان لی۔ بدھ مہاتما وہاں گئے اور ایک گھنٹے درخت کی چھاؤں میں حکمی شاخیں
 ندی کے کنارے پر پھیلی ہوئی تھیں استھان جمایا اُدھر دیہاتی ندی کے مقابل ولے
 کنارے پر آتے جاتے اور بدھ مہاتما بلند آواز سے اُلکو محبت اور خلوص کا پیغام دیتے
 جس کو ندی کے پانی کی موجیں اپنی سرتلی آواز میں ادھر سے ادھر پہنچا تیں۔

دیہاتی مہاتما کی نصیحت قبول کرنے پر آمدہ نہ ہوئے۔ اور اُن پر اعتقاد نہ لائے
 لیکن اُنہیں میں سے ایک شخص کے دل میں نور یقین نے جلوہ گری اور اُسکو خیال
 پیدا ہوا کہ یہ شخص جو کچھ کہتا ہے اُس کو تفصیل سے سُننا چاہئے۔ ندی پر نہ کوئی پل تھا
 اور نہ وہاں ناؤ ملتی تھی مگر اُسکا عقیدہ مضبوط تھا اور جیسا کہ قریم قصہ میں ہے،
 وہ اُس گہرے پانی کی سطح سے خراماں خراماں گذر گیا۔

مہاتما کے قریب آن کر سلام کیا اور ان کے اقوال نہایت توجہ اور دل دہی سے
 سنے۔ غالباً یہ شخص پیر کے گیا ہوگا جس کو قصہ میں اسطرح بیان کیا ہے کہ چل کر گیا

بہر حال اُس میں اس قدر جرأت تھی کہ اس نے ایسی راہ اختیار کی جو اُسکی صلیب
 حال کا موجب ہوئی۔ اب اسکو دیکھ کر دوسرے دیہانیوں کو بھی خیال ہوا۔ انھوں
 نے بھی بڑھ بڑھاتا کے مواعظ سُننے اور اُن کے دلوں میں بھی شریفانہ خیالات پیدا ہوئے
 مذکورہ بالا مثال میں دریا کو پیر کر پار اُترنے اور حق کی باتیں سُننے میں جرأت و کھائی
 گئی ہے۔ لیکن نیکیوں کی راہ پر قائم رہنے کے لئے بھی ویسی ہی جرأت درکار ہے جیسی
 نیکیوں کی راہ میں قدم رکھنے کے لئے۔

ذیل کی مثال پر غور کرو جو مرعی اور مرعی کے بچوں سے دی گئی ہے۔
 ہما تزا بدھ نے اپنے چیلوں کو حکم دیا کہ پہلے نیک عمل کرو اور پھر اسپر بھروسا
 رکھو کہ تمہارا تخم عمل نیک پھل لائے گا۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جب مرغی اپنے
 یا دس یا بارہ انڈے دے چلتی اور اُن کو بے گھٹتی ہے پھر اُس لوہس کی فکر نہیں
 ہوتی کہ ارے میرے ننھے ننھے بچے اس قابل ہونگے کہ انڈے کا سخت چھلکا اپنی
 چونچ یا پنجے سے توڑ کر روشنی میں نکلیں۔ اسی طرح اگر تم سیدھے راستے پر چلتے رہے
 تو ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور تم ضرور کبھی نہ کبھی روشنی میں جا چکو گے۔
 جو جرأت ہے کہ سیدھے یعنی حق کے راستے پر چلو۔ طوفان اور تاریکی سے نہ گھبراؤ
 تکلیف کی برداشت کرو، اور راہ کی کڑھی جھیلو، یہاں تک کہ روشنی میں جا چکو۔
 مسلمانوں کی ایک اخلاقی کتاب میں ابو سعید شاعر کا ایک واقعہ لکھا ہے۔
 ابو سعید کے دوستوں نے سنا کہ وہ بخار میں مبتلا ہے اور اُسکی عیادت کو گئے۔

دروازے پر پہنچے تو نثار زادے نے ان کا خیر مقدم کیا اور انکو دیکھ کر مسرت
 ظاہر کی اس لئے کہ مریض اب کسی قدر اچھا ہو چلا تھا۔ جب یہ لوگ مکان کے اندر داخل
 ہوئے اور اُس کمرے میں پہنچے جہاں ابو سعید کا بستر علالت تھا تو یہ دیکھ کر بہت خوش
 ہوئے کہ اُنکے دوست کی صحت اب اچھی ہے۔ اور معمولی خوش مزاجی کے ساتھ
 بات چیت کر سکتا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد ابو سعید بھی سو گیا اور اُسکے مہمان بھی سو گئے۔
 جب عصر کے وقت مہمان اور میزبان خواب سے بیدار ہوئے۔ ابو سعید نے
 اپنے فرزند کو حکم دیا کہ نہایت سکنی کا سامان کرے، اور کمرے میں خوشبو سلاگا دے۔
 ابو سعید کے دوستوں نے کہا: یہ عجیب دن تھا جو ناریکی سے شروع ہوا اور
 روشنی میں ختم ہوتا ہے۔

ابو سعید نے غار سے فارغ ہو کے اپنی تعصیف کے چند شعر سنائے جنکا مضمون یہ تھا
 ”معیبت میں نا امید نہ ہو۔ وہ وقت بھی آئے گا کہ تمھارا غم خوشی سے بدل جائے،
 ”اگر اس گھڑی موم گرم چل رہی ہے، تو کچھ دیر بعد نسیم و صبا بھی چلے گی۔“

”تیرہ تارا برا ٹھنڈا ہے اور بجزیر سے ہوئے نکل جاتا ہے“

”لکڑی سُلگ سُلگ کے کجلا جاتی ہے مگر شعلہ بلند نہیں ہوتا،“

”اسی طرح اسباب غم پیدا ہونے میں اور رفع ہو جاتے ہیں۔“

”انسان کو چاہئے کہ اگر معیبت اپنی ڈرادنی صورت دکھلائے تو استقلال سے کام لے

”وزمانہ عجیب و غریب انقلاب دکھاتا رہتا ہے“

”ہمکو افضال آئی پر بھروسہ اور اُسکی رحمت پر تکیہ کرنا چاہئے“

عزیزکہ جو لوگ اپنے دوست کی علالت سن کر محزون آئے تھے وہ اُس کو

مذرت پا کر اور اُسکی نظم کا حظ اٹھا کر شاد و مسرور واپس گئے۔

دوستوں نے شاعر کی مدد کی اور شاعری کی نظم نے اُسکے دوستوں کی ایک

انسان دوسرے انسان کو اسی طرح جرأت و ہمت دلا سکتا ہے جطرح ہم ایک

چراغ سے دوسرا چراغ روشن کرتے ہیں۔ انسان ہو یا حیوان سب کو ہمت

دلانے والی باتوں سے مدد پہنچتی ہے۔

قدیم زمانے میں جبکہ برہمات بنارس کا راجہ تھا ایک شخص نے راجہ کے

دشمنوں کے مقابلے کے لئے ایک ہاتھی کو تربیت کیا۔ دشمن سے لڑائی ٹھنی راجہ

اُسی ہاتھی پر سوار ہو کر مقابلے کو نکلا۔ جب شہر پناہ کے پھاٹک پر پہنچے فیسل

سپاہیوں نے کھلتی ہوئی کچھڑ اور تیغ برسانے شروع کیئے۔ اور راجہ کا ہاتھی اس موذی

بارش کی تاب نہ لاکر پیا ہو گیا اُس وقت اس کا کرنے والا جھپٹ کر آیا اور پکار کے بولا:-

”اے ہاتھی تو بہادر ہے۔ بہادروں کا سا کام کر۔ پھاٹک کو ڈھا دے“

اُس قوی ہیکل حیوان کی جرأت ان باتوں کو سن کے جوش میں آئی، اور اُس نے ٹلک دے

کے پھاٹک توڑ دیا اور راجہ کو فتح دلانی

دلائی۔

پس اے بہادر لوگو! اور بہادر لوگو! تم بھی اس حصہ سے سبق حاصل کرو! تم خود جی بنو اور اپنے دوستوں کو جرأت

سبق چوتھا

زندہ دلی یا خوش مزاجی

ایک شام کو میں نے انگلستان کے ایک شہر میں سات آٹھ گاڑیوں کو سڑک سے گذرتے ہوئے دیکھا۔ ہر گاڑی میں کچھ چھوٹے چھوٹے لڑکے سوار تھے اور ایک ایک دو دو جوان آدمی ان حفاظت و نگرانی کے لئے ہر گاڑی کے ہمراہ تھے۔

انگلستان میں مطیع اکثر ابرہہ اور رہتا ہے اور سال میں بارش کا کوئی وقت سعتین نہیں ہے۔ جس دن کا یہ واقعہ ہے ان لڑکوں کو مرغزاروں میں کھیلنے کیلئے لے گئے تھے۔ سارے دن بوندا باندی ہوتی رہی تھی اور اب یہ جماعت پانی برسینے میں واپس آرہی تھی۔ اس حالت میں بھی لڑکے گاتے جاتے اور جو راہ گیارا نکلی برابر سے گذرتے انکی طرف سے ہاتھ ہلاتے تھے۔ باوجودیکہ دن رندھا ہوا تھا مگر ان کے دل میں ہوسے نہ تھے، اور انہوں نے اپنی خوش مزاجی کو باقی رکھا تھا، اگر کسی لڑکے پر افسردگی کا اثر ہوتا تو دوسروں کا گانا اُسکو دور کر دیتا۔ راستہ چلنے والوں کو بھی ان لڑکوں کے گیت سن کر اور ان کی خوش فعلیاں دیکھ کر مسرت ہوتی تھی۔ عمر خراسان کا شہزادہ تھا، اور نہایت عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا تھا جب وہ کسی مہم پر جاتا تو اُسکے باورچی خانہ کا اٹالہ تین سو اونٹوں پر بار ہوتا خلیفہ اسماعیل نے اُسکو گرفتار کیا۔ معیبت میں بھی انسان کو بھوک پیاس لگتی ہے عمر خراسان

بکاول سے جو اس وقت حاضر تھا کہا کوئی چیز کھانے کو لاؤ۔

بکاول کے پاس تھوڑا سا گوشت موجود تھا۔ اُس نے اسے ایک بانڈی میں اُبلنے کو چڑھا دیا اور خود مصالحہ لینے چلا گیا۔ اتفاقاً ادھر سے ایک گتّا آیا اور گوشت کی بو پا کے بانڈی میں منہ ڈال دیا۔ بھاپ جو لگی فوراً سر اٹھالیا۔ مگر بانڈی کا منہ پھونکا۔ وہ بھی ساتھ ہی لٹکی ہوئی چلی آئی اور گتّا اسی طرح بانڈی کا ٹوپ پھنسنے ہوئے بھاگا۔

عمر کتے کی یہ ہیئت کڑائی دیکھ کر بے اختیار ہنس پڑا۔ جو افسر اس وقت عمر کا محافظ تھا اُس نے پوچھا کہ معاذ اللہ ایسے وقت میں ہنسنے کیوں ہیں جبکہ آپ کو رنجیدہ ہونا چاہئے، عمر نے کتے کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ ”مجھے یہ سوچ کر ہنسی آئی کہ آج ہی صبح کتے کی ماورچی خانہ کا اٹالہ تین سو اونٹوں پر چلتا تھا اور اس وقت اُس کو ایک کتے لئے جاتا ہے۔“ عمر کی خوش دلی اُسی کے لئے تھی۔ دوسروں کے خوش کرنے کیلئے عمر نے کتے کو بھی تاج تاج کی شگفتہ مزاجی قابلِ تعریف ہے اور اس قلعے سے ہم یہ خیال کر سکتے ہیں کہ جب عمر نے ایسی مصیبت کی حالت میں زندہ دلی کو نہ چھوڑا تو ہمارے لئے اس سے چھوٹی مصیبتوں میں اپنا جی خوش رکھنا ناممکن نہیں ہے۔

ایران میں ایک عورت شہد بیچا کرتی تھی عورت نہایت خوش مزاج تھی اس وجہ سے اُسکی دکان سیرکابوں کا مجمع رہتا تھا۔ شیخ سعدی جنہوں نے اس قلعے کو نظم کیا ہے لکھتے ہیں کہ اگر یہ عورت بجائے شہد کے زہریلی جیتی جب بھی لوگ اُسکی دکان پر خریداری

کے لئے جمع ہوتے۔

ایک بد مزاج آدمی نے دیکھا کہ اس عورت کو اس باہرہ چیز کی تجارت میں بلائے گئے
 اس نے بھی شہد بیچنے کی طبعانی شاعر کہتا ہے کہ اس نے اپنی دوکان تو شہد سے
 بھری مگر اپنی تلخ مزاجی کو دور نہ کر سکا جو مشتری اُس کی دوکان پر آتا اس سے تشریح
 پر تاناؤ کرتا۔ آخر لوگوں نے اُس کی دوکان پر آنا چھوڑ دیا۔ چنانچہ شیخ سعدی فرماتے ہیں
 ”اُس کے شہد پر مکھی بھی نہ بیٹھتی تھی۔ کڑوے آدمی کا شہد بھی کڑوا ہوتا ہے،“
 ممکن ہے کہ یہ عورت محض گاہکوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے مسکراتی ہو
 مگر میں یہ کہوں گا کہ اس کا مسکرا نا حلقی خوش طبعی کی وجہ سے تھا۔ ہم دنیا میں فقط لین
 دین کرنے کے واسطے نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کے رفیق بننے کے لئے۔

اس عورت کے مشتری اسکومرن ایک دوکاندار ہی نہیں بلکہ کچھ اور بھی سمجھتے

ہوں گے۔ یعنی کہ وہ باغِ خلقت کا ایک شگفتہ پھول ہے۔“

دوسرے قصبے میں جو میں تم سے بیان کروں گا خوش مزاجی اور مسکراہٹ کو

مشتریوں کے خوش کرنے اور مسافت حاصل کرنے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے ہنس مکھ

آدمی کی خوش دلی اندر سے خود بخود اس طرح ابلیتی ہے جیسے چپٹے سے پالے۔

یہ نقل جو بیان کی جاتی ہے ایک نہایت مشہور آدمی یعنی سری رام جی کے بارے میں ہے

رام نے اُس دس سراور میں ہاتھوں والے راکس کو جس کا نام رلون تھا قتل کیا

مگر یہ مقابلہ بڑا سخت تھا رام کی طرف سے بے شمار زچھ اور بندر لڑائی میں مارے گئے تھے

اور راکسوں کے گشتوں کے پھتے لکے پھتے لاون کا قتل کچھ آسان نہ تھا۔ رام جی بار بار اُس کے دس سر اور بیس ہاتھوں کو قطع کرتے تھے اور پھر وہ جیسے کے ویسے ہو جاتے تھے۔ حالت یہ تھی کہ گویا آسمان سے ہاتھوں اور سروں کی بارش ہو رہی تھی۔ آخر کار یہ عظیم الشان جنگ ختم ہوئی اور راون مارا گیا بندر اور ریچھ جو لڑائی میں قتل ہوئے تھے پھر زندہ کئے گئے اور اب ان کا ٹڈی دل فتح مند رام کے احکام کی تعمیل کرنے کے لئے صیفیں باندھ مینا ہے۔

رام جی جو ابھی ابھی ایسی شاندار فتح حاصل کر چکا ہیں نہایت سکون اور اطمینان سے کھڑے ہیں۔ اور ان کی نگاہ اپنے وفادار دوستوں پر پڑ رہی ہے۔

دبھی شن جو اب بجائے راون کے لنگا کارا جہ ہے ایک گاڑی چلکتے ہوئے جواہرات اور ظلمت فاتح جنگ آزماؤں کے لئے لایا ہے اور رام جی و بھی شن سے فرماتے ہیں ”دیکھو! میرے عزیز دوست و بھی شن تم ہو میں بلند ہو کے اپنے تحفوں کو نیچے پھینکو،“

دبھی شن رام جی کے حکم کی تعمیل کرتا اور اپنے رتھ کو ہوا میں بلند کر کے جواہرات اور کپڑے نیچے پھینکتا ہے اور ریچھ اور بندر ان نادر تحفوں کو بوٹنے کے لئے ایک پر ایک ٹوٹے پڑتے ہیں۔

یہ سمان دیکھ کر رام جی ہنستے ہیں۔ ان کی جینتی رانی سیتا جی ہنستی ہیں اور اور ان کا عزیز بھائی لچھن ہنستا ہے۔

عزفکد بڑے دل والے اپنے دل کی بڑائی کی وجہ سے خوش رہتے ہیں۔
 رام جی کے قصے سے تم کو روشن ہوا ہو گا کہ ایک بہت بڑا نامور بہادر منس رہا ہے
 دیکھو رام جی نے جنگ میں ثابت کر دیا کہ اُن کا دل بڑا ہے اور منسی کے وقت بھی
 اپنے دل کی بڑائی کا ثبوت دیا۔ فارسی میں بہادری کو پر دلی کہتے ہیں اور ہندی میں
 جیوٹ، عزفکد بہادری، کے معنی ہیں دل کی بڑائی، اسی طرح خوش مزاجی بھی دل
 کی بڑائی پر منحصر ہے۔ اس لیے کہ خوش مزاجی بھی ایک طرح کی جرأت ہے۔

جولوہ کے گاڑیوں میں بیٹھے اس وقت گاتے جاتے تھے جبکہ سرد ہوادلوں کو سرد
 کر رہی تھی وہ بہادر تھے۔ شہد بیچنے والی عورت بہادر تھی کیونکہ یقیناً بعض اوقات
 اُس کی بکری بھرتی ہوگی۔ بعض اُس کے مشتری اُس کے ساتھ تیش رول سے پیش
 آتے ہونگے۔ اور جب وہ انسان تھی تو ضرور ہے کہ اُس کو خانگی مکروہات اور بچ وہ
 واقعات بھی پیش آتے ہونگے۔ اور رام جی کو تو سارا ہندوستان بہادر مانے ہوئے ہے۔
 روم کی فوج کا سپہ سالار و آرو خود تو نہیں تھا مگر اُس نے سارے شہر کو خوش
 کر دیا۔ لکھتے ہیں کہ ایک لڑائی میں رومیوں کی فوج کو حبشیوں نے شکست دی پھر
 ہزار رومی مارا گیا۔ مگر شکست خوردہ فوج کے سپہ سالار کے تیور رول پر بل نہ آیا۔ جب
 وہ شہر کو واپس ہوا اس وقت بھی اُس کا دل ویسا ہی قوی اور حرکات بہادرانہ تھے
 اہل شہر دروازہ شہریناہ پر استقبال کو آئے اور اُس نے اُن سے مخاطب ہو کے کہا۔
 ”رومیو بھی بہت کچھ اید باقی ہے اور میں اس لئے واپس ہوا ہوں کہ روم کے

بچانے کے لئے جو ممکن تدبیر ہو وہ کروں“

حالانکہ رومی اپنے ہزار ہا آدمیوں کے قتل ہو جانے سے رنجیدہ تھے مگر وارو کی تقریر اور طرز عمل نے اُن کے دلوں کو امید بندھائی یا یوں کہو کہ اُن کو خوش کر دیا۔ اور شہر کے بزرگوں نے کہا کہ وارو ہم تمہاری اس بات کی تعریف کریں گے کہ تم روما کی طرف سے مایوس نہیں ہو۔

خوش مزاج مالا اپنے بچے کو خوش رکھتی ہے۔
خوش مزاج تیمار دار کسی صحبت میں بیمار جلد شفا پاتا ہے۔
خوش مزاج کاربلا ہی یا مزہ دور اپنے ساتھی کام کرنے والوں کو خوش رکھنا اور اُن کے دلوں پر ٹھکن نہیں آنے دیتا ہے۔

خوش مزاج مسافر اپنے ہم سفر کی منزل ہلکی کر دیتا ہے۔
خوش مزاج شہری اپنے ہم وطنوں کے دلوں میں امید کو تازہ رکھتا ہے۔
اسے خوش مزاج لڑکوں اور خوش مزاج لڑکیوں کو بتاؤ کہ تم کیا کر سکتے ہو؟

سبق پانچواں

اپنے اوپر آپ بےروسا کرنا

”قدیم زمانے میں ملک عرب کا ایک سردار حاکم طائی سخاوت میں بہت مشہور تھا۔ اس کے کسی دوست نے ایک روز اُس سے پوچھا کہ تم نے کسی ایسے شخص کا نام

بھی سنا ہے جو تم سے زیادہ باہمت ہو۔

حاتم نے جواب دیا کہ ہاں۔

دوست نے پوچھا کہ 'وہ کون ہے؟'

حاتم نے کہا کہ 'ایک روز میں نے چالیس اونٹ ذبح کئے تھے اور سرداران عرب کے ساتھ جنگل میں جا رہا تھا۔ وہاں میں نے ایک لڑکی کاٹنے والے کو دیکھا کہ ایک گٹھا سوکھی لکڑیوں کا کاٹ کے بیچنے کے لئے لے جا رہا ہے کیونکہ یہی اسکی معاش کا ذریعہ تھا میں نے اُس سے پوچھا کہ تم حاتم طائی کی دعوت میں کیوں نہیں شریک ہوئے؟ اُس نے جواب دیا کہ جو لوگ اپنی روزی آپ پیدا کرتے ہیں اُن کو حاتم طائی کی دعوت میں شریک ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔' لے

دیکھو! حاتم نے اپنے دوست سے کہا کہ لکڑہارا اُس سے باہمت تھا اس کمنے سے اُس کا یہ منشا تھا کہ دوسروں کی سخاوت پر بھروسہ کر نیسے یہ بہتر ہے کہ آدمی محنت سے اپنی روزی پیدا کرے۔ یہ صحیح ہے کہ دوست دوستوں کو تحفے دیتے اور سخی عزیزوں اور حاجت مندوں کی مدد کرتے ہیں، لیکن جو آدمی تندرست اور محنتی ہے وہ کبھی اس کو گوارا نہ کرے گا کہ اپنے ہاتھوں سے کام لینے کے عوض ان کو دوسروں کے سامنے پھیلائے۔ یہی بات ہے جس کے لئے ہم کو لکڑہارے کی ہمت پر آفریں کہنا چاہئے۔ لے

لے ماخوذ از گلستان سعدی مترجمہ ایٹ وک

لے اس ریمارک میں وہ مذہبی فقر شامل نہیں ہیں جو عبادت الہی کی غرض سے تادک الدنیا ہو گئے ہیں اور لوگ اپنی سعادت سمجھ کر ان کی خدمت کر گئے ہیں۔

مگر اس لکڑہارے سے زیادہ تعریف کے قابل گشتاسپ کی محنت ہے جس کا قصہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے اسکو سنو اور پھر غور کرو کہ یہ ایرانی شہزادہ اُس لکڑہارے اور حاتم طائی دونوں سے زیادہ باہمت تھا یا نہیں؟

کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں ایران کا ایک شہزادہ گشتاسپ نامی تھا۔ اس کا باپ اسکے ساتھ ایسی بدسلوکی کرتا تھا جو تاج و تخت کے وارث کے ساتھ نہ کرنی چاہئے تھی۔ اس وجہ سے وہ بہت رنجیدہ اور پریشان رہتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنا دس چھوڑ کر مغرب کی طرف پردیس میں نکل گیا۔

وہ جب یکہ و تنہا بھوکا پیاسا اُس نئے ملک میں پہنچا تو اُسے خیال ہوا کہ محنت کر کے اپنی روزی پیدا کرے۔ اس خیال سے وہ وہاں کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ مجھے لاکھنا پڑھنا خوب آتا ہے اگر کوئی جگہ منشی گیری کی دی جائے تو میں اس خدمت کو بخوبی انجام دے سکوں گا۔

اس کو جواب ملا کہ ابھی کوئی جگہ منشی گیری کی خالی نہیں ہے تھوڑے دن توقف کرو مگر وہ ایسا بھوکا تھا کہ توقف نہیں کر سکتا تھا اس لئے اُس نے آگے کی راہ اختیار کی۔ راستہ میں اونٹوں کا ایک قافلہ ملا۔ شہزادے نے ان سے نوکری کی درخواست کی۔ ان کو آدمی کی ضرورت نہ تھی مگر انہوں نے اُسکو کھانا کھلوا دیا۔ یہاں سے آگے چل کے گشتاسپ ایک لہار کی دوکان پر پہنچا اور اُس سے کامیابی کی خواہش کی۔ لہار نے اُس کی درخواست منظور کی اور اُسکو گھن دیکر لوہا گھونکنے کیلئے

گشتاسپ بہت طاقتور تھا پہلے ہی ہاتھ میں جب اُس نے لوہا نہائی پر رکھ کے ہتھوڑا مارا تو نہائی ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ لہذا اس حرکت پر بہت نالاغ ہو گیا اور اُس نے کمال دیا۔ گشتاسپ نہایت پریشانی اور فاقہ کشی کی حالت میں پھرتا تھا کہ اتفاق سے ایک کسان سے اُسکی ملاقات ہوئی کسان کو اُس کی حالت زار پر رحم آیا اور اُسکو اپنے گھر میں پناہ دی۔ اور اُسکے کھانے پینے کا متکفل ہوا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کسان گو عزیز آدمی تھا مگر گشتاسپ کی طرح وہ بھی ایران کا شہزادہ اور فریدیوں کی نسل تھا۔

ایک دن یہ خبر معلوم ہوئی کہ سلطان روم کی بیٹی جوان اور شادی کے قابل ہو گئی ہے اور سلطان نے تمام شہزادوں کی دعوت کی ہے۔ اس خبر کو سنکر گشتاسپ بھی گیا اور جلسہ دعوت میں شریک ہوا شہزادی نے اُسکو دیکھا اُسپر عاشق ہو گئی اور اظہار محبت کے طور پر بچوں کا ایک گلدستہ عنایت کیا۔ بادشاہ کو منظور نہ تھا کہ گشتاسپ جیسے سفیر آدمی کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کرے اور دستور کے خلاف وہ اپنی لڑکی کو منع بھی نہ کر سکا لیکن دو لہاؤں لیکن دونوں کو اپنے محل سے نکال دیا اور وہ جنگل میں ایک جھونپڑی ڈال کے رہنے لگے۔

گشتاسپ بہت بڑا شکاری تھا۔ ہر روز ندی کو پیر کر جاتا اور ایک آدھرن یا گور خرمار کے نصف کشتی بان کو کشتی کا کرایہ دینا اور نصف گھرا تا۔

ایک دن کشتی بان ایک مرزبان کو لایا۔ مرزبان نے کہا کہ حضور میں بادشاہ کی

دوسری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ پہلے اس بھڑے کو ماروں جس نے بادشاہ کے ملک کو ویران کر رکھا ہے۔ اور یہ کام میری طاقت سے باہر ہے۔

گشتاسب نے کہا کہ میں یہ کام تمہاری طرف سے انجام دوں گا اور وہ جنگل کی لہریں بھڑے کی تلاش میں روانہ ہوا اور اس خوفناک درندے کو پہلے تیر سے زخمی کیا پھر شمشیر آب دار سے اُسکے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ بادشاہ نے آکر بھڑے کی نعش کو ملاحظہ کیا اور خوش ہو کر اپنی بیٹی کی شادی مرزبان کے ساتھ کر دی۔

چند روز کے بعد کشتی بان ایک اور شخص کو لایا جس کا نام رتھون تھا اُس نے کہا کہ میں بادشاہ کی تیسری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں مگر پہلے مجھے ایک ازدھے کو قتل کرنا پڑے گا۔ کشتاسب نے اُس سے بھی اقرار کیا کہ میں تمہاری طرف سے ازدھے کو قتل کروں گا۔

اس کام کے لیے اُس نے یہ تدبیر نکالی کہ بہت سی چھریاں لیکر اُنکا ایک گیند سا بنایا اور اُسکو ایک برہمچھی میں باندھ کر ازدھے کے منہ میں دے دیا ازدھا طیش میں آکر اُس گیند کو چبانے لگا یہاں تک کہ اُسکا منہ کٹ گیا اور وہ بے دم ہو کے گر گیا اُس وقت شہزادے نے تلوار سے اُس ظالم کے دو ٹکڑے کر دیئے۔

تم کو یہ سن کر تعجب نہ کرنا چاہئے کہ جو شہزادہ ایسا بہادر تھا وہ آخر کار ایک دن اپنے باپ کی جگہ ایران کے تخت پر بیٹھا۔ اسی بادشاہ یعنی کشتاسب کے زمانے میں پارسیوں کو

پیغمبر زرد ہشت نے جن کا دوسرا نام زوراسٹر یعنی ہے ظہور کیا اور ایرانیوں کو

پرتو کے دین کی تعلیم دی جو روشنی، آفتاب، آگ اور پاکیزگی اور انصاف کا خدا ہے۔

مگر دیکھو کہ اس پر بھی گشتا سپ کو وہ رتبہ اور درجہ فوراً نہیں ملا جس

کا وہ اس دنیا میں مستحق تھا۔ اُس نے کیسی کیسی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔

یہاں تک کہ لہار کی محنت بائیں بھی نہیں، مگر جب وقت آیا تو اُس کا حق اُسے پہنچا

اور اپنے ہم جنسوں کا ہمدرد اور دُنیا کا عقلمند حکمراں ہوا۔

میں نے ابھی کہا ہے کہ اپنے ہم جنسوں کا ہمدرد تھا۔ اب تم دیکھو کہ وہ اُس

لکڑہارے سے بہتر تھا یا نہیں جو صرف اپنی مدد آپ کرنے کے لئے محنت کرتا

تھا۔ (جیسا کہ قصہ سے معلوم ہوتا ہے) اب پھر حاکم کو دیکھو تو یہ ماننا پڑے گا کہ

وہ سخاوت میں بے مثل تھا مگر جو کچھ لوگوں کو دیتا تھا وہ اس بے شمار دولت میں

سے دیتا تھا جو اُس کے پاس جمع تھی برخلاف اُس کے گشتا سپ نے اپنے ہاتھوں کو

دوسروں کی مدد میں لگایا۔ یہی نہیں بلکہ غیروں کے واسطے اپنی جان خطرے میں ڈالی۔

ہندو گروشنکر کے نام کی بڑی عورت کرتے ہیں۔ گروند کور بہت سُن چلا اور باہمت

آدمی تھا اور اُس کی ہمت صرف اسی میں صرف نہ ہوتی تھی کہ ملک کے مختلف حصوں

میں پھر کر اپنے خیالات اور عقاید کی تعلیم دے۔ بلکہ روزانہ زندگی کے فریض اور

خطروں میں بھی وہ ایسا مستقل مزاج تھا۔ جب اُسکی عزیزیاں کا انتقال ہوا اُس وقت

لہا خوقاز شاہنامہ فردوسی فرزند۔

برادری والوں نے اُس اٹھانے میں شرکت نہ کی مگر شنکر ایسا آدمی نہ تھا کہ وہ بیٹھ کر

افسوس کرتا رہتا۔ اُس نے سارے مراسم خود انجام دیتے خود ہیبت کو اٹھا کر لے
 لیا اور خود لکڑیاں بنت کر کے چتا تیار کی اور اپنے ہاتھ سے اُس چاہنے والی ماں کی
 نفش کو آگ دی جو تمام عمر اُس کی تکلیف کی کبھی روادار نہ ہوئی تھی لے

مذکورہ بالا قصوں سے ہم کو دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:-

(۱) وہ آدمی جو اپنی مدد آپ کرتا ہے۔ یعنی جو اپنے آپ پر بھروسہ کرتا ہے۔

(۲) وہ آدمی جو اپنی مدد آپ کرنے کے علاوہ اپنے پڑوسی کی مدد کرتا ہے یا کوئی

مقدس فرض انجام دیتا ہے۔ اس لئے ہم کو چاہئے کہ عزت کریں:-

۱۔ اُس شخص کی جو لکڑی کاٹتا ہے یا لوہا کو ٹٹتا ہے یا ہل چلاتا ہے یا دوکان لگاتا ہے

یا کوئی کل ایجاد کرتا ہے یا کوئی نئی زمین دریافت کرتا ہے یا کوئی اور کام اس لئے

کرتا ہے کہ اپنے لئے زندگی کی ضروریات حاصل کرے اور ساتھ ہی اپنی کمائی میں

سے اپنے جو روپے چھوٹے اور عزیزوں اور پڑوسیوں کی مدد کرے۔

۲۔ اُس طالب علم کی جو مدرسہ میں اپنے سبق پر توجہ کرتا ہے جو استاد نے اُس کے

لئے مقرر کیا ہے اور علم کی سیڑھیوں پر چڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اپنی

محنت کے صلہ میں نام پاتا ہے اور نیز اُس طالب علم کی جو اپنے سے کم فہم

ہم سبق کی مدد کرنے کو تیار رہتا ہے۔

لے ماخوذ از سوانح عمری سری شنکر چارہ۔ مولفہ سہی ای کم کریشنا سوامی امہ

(۳) ان کارباریوں کی جو مشترکہ انجنوں میں کسی مویشی خانہ یا کارخانہ کفش سازی یا

چھاپہ خانہ قائم کرنے میں ایک دوسرے کی شرکت کرتے ہیں۔ یا ایسی عمارت بنانے میں باہم شریک ہوتے ہیں جو ان کی مشترکہ ملک ہو اور جس میں وہ آرام سے رہ سکیں چنانچہ آئرلینڈ میں دیہات کے لوگ مشترکہ مویشی خانے قائم کرتے ہیں۔ اپناروپیہ مشترکہ سرمایہ میں جمع کرتے ہیں۔ باہم مل کر مرغی خانہ اور سسکہ وغیرہ بنانے سے دوسرے نفع بخشنے والے کارخانے قائم کرتے ہیں۔

(۴) ہندوستان آئرلینڈ اور دوسرے ممالک جیسے اٹلی جرمنی بلجیم اور آسٹریا کے اہل دیہ کی عزت کرنا چاہیے جو اپنا پس انداز روپیہ مشترکہ بنکوں میں جمع کرتے ہیں اور ان بنکوں سے کاشتکاروں اور دوسرے حاجت مندوں کو انکی ضرورت پر قرض دیتے ہیں۔ ایسے قرضہ ادارہ باہمی کے بنک ہندوستان میں پہلے پہل ۱۹۰۵ء میں کھولے گئے تھے اُس وقت رعایا نے ان بنکوں میں پانچ ہزار روپیہ جمع کیا تھا رفتہ رفتہ اس کا چرچہ ہوتا گیا اور ۱۹۰۵ء میں دیہات والوں کا تقریباً دو ہزار بنکوں میں ۶۱ لاکھ روپیہ اس غرض سے جمع ہو چکا تھا کہ اُس سے کھینٹوں کے پتے تھم اور کلیں خریدی جائیں اور آئندہ کی دوسری ضروریات میں کام آئے۔

(۵) ہم کو ان کام کرنے والوں کی عزت کرنی چاہئے جو تجارتی انجنوں میں باہمی شرکت کریں تاکہ ان کی جماعت کو قوت حاصل ہو اور اگر وہ اپنے لوگوں کو رکھنے والوں سے زیادہ مزدوری اور عمدہ سلوک کے خواہاں ہوں تو انکی آواز اُس ایک آدمی

کی آواز نہ سمجھی جائے جو محض اپنے فائدے کے لئے استدعا کرتا ہے بلکہ بہت سے آدمیوں کی آواز سمجھی جائے جو ہر شخص کے یکساں فائدے کے لئے بلند کی گئی ہو۔ ایسی تجارتی انجمنیں ان ممبروں کی بھی مدد کرتی ہیں جو بیمار یا بیکار ہیں۔ اس طریقے سے لوگ اپنی مدد آپ کرنے کے علاوہ ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں۔ اسی طریقے کا نام ”اپنی مدد آپ کرنا“ ہے جس کو انگریزی میں سلف ہیلپ کہتے ہیں۔ ہم تصویب میں پڑھتے ہیں کہ ایسی بریاں یا جن ہیں جو چراغ کے رگڑنے سے یا کسی اسم کے پڑھنے سے آتے اور لوگوں کو ہوا میں اڑا لے جاتے ہیں۔ یا ایک لمحہ میں عالی شان محل تیار کرتے یا زمین سے پیدل اور سوار فوج نکال کھڑی کر دیتے ہیں۔ مگر ان کا جادو ایسا چلتا ہوا نہیں ہے جیسا اپنی مدد آپ کرنے کا جادو ہے۔ جس سے زمین جوتی جاتی ہے جنگلی حیوان مانوس ہو جاتے ہیں زبردست دست خستہ کاٹ ڈالے جاتے ہیں۔ تالاب بنائے جاتے ہیں ریلیں تیار ہوتی ہیں غلہ روئی اور نیل پیدا ہوتا ہے ہوائی جہاز بنتے ہیں۔ دیہاتوں اور شہروں پر حکومت کی جاتی ہے اور ضرورت کے وقت ہمسائے کو مدد پہنچتی ہے۔

سبق چھٹا

خودداری

ہم شیر کے منہ میں لگام نہیں دیتے۔ شیر دوسرے حیوانوں۔ مردوں۔ عورتوں

اور بچوں کو ہلاک کرتا ہے مگر ہم شیر گھوڑے کی طرح کیوں نہیں پالتے۔ اور اُس کے
 منہ میں لگام دیکر اُس سے سواری کیوں نہیں لیتے۔؟
 اس لئے کہ یہ بات ہمارے امکان میں نہیں ہے۔ اور شیر میں ایک ایسی
 وحشی روح ہے جو ہم کو اُسکے پالنے سے روکتی ہے۔

ہم گھوڑے کو لگام دیتے ہیں وہ اول اول ہماری اطاعت نہیں کرتا مگر آخر کار
 ہمارا مطیع ہو جاتا ہے۔ بلکہ ہم سے محبت کرنے لگتا ہے۔ عنفکہ انسان کی مرضی پر
 چلنے لگتا ہے اور اپنے منہ میں لگام لینے اور پیٹھ پر زین کسوانے کا عادی ہو جاتا ہے۔
 اب امام حسینؑ کے اس واقعہ پر غور کرو۔ تم کو معلوم ہو گا کہ اُلکی طبیعت میں
 کوئی بات ایسی تھی جس کے لئے لگام کی ضرورت تھی یعنی ان کی طبیعت میں وہ
 مادہ ضرور تھا جو انسان اور وحشی حیوان میں مشترک ہے۔ مگر ان میں وہ مادہ زیادہ
 تھا جو اس حیوانی مادہ پر غالب آتا ہے۔

امام حسینؑ حضرت محمدؐ کے نواسے تھے۔ ان کا مکان عالیشان ٹھکان کو دولت کی
 کمی تھی۔ ان کو رنج وینا ایک بڑے آدمی کو رنج وینا تھا۔ اور بڑے آدمی کا غصہ بہت برا ہوتا ہے
 ایک روز کا واقعہ ہے کہ ایک غلام گرم پانی کا ایک برتن لے کر ہوئے آپ کے پاس
 سے گذرے جبکہ آپ کھانا کھانے میں مصروف تھے اتفاق سے وہ کھولتا ہوا پانی نواسہ
 رسول پر گر پڑا اور آپ کے منہ سے بے ساختہ ایک آواز نکلی جس سے ظاہر تھا کہ
 آپ کو بہت تکلیف پہنچی۔ غلام بڑا حاضر جواب تھا فوراً قدموں پر گر پڑا اور قرآن

کی ایک آیت کو یاد کرنے لگا جس کا مطلب یہ ہے:-

”جنت اُن لوگوں کے لئے ہے جو اپنے غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں کی خطا سنا کر دیتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے“

اُس نے پہلے یہ جملہ کہا ”جنت اُن لوگوں کے لئے ہے جو اپنے غصے کو روکتے ہیں“ امام حسین نے فرمایا کہ میں تجھ سے ناراض نہیں ہوں۔ غلام نے پھر دوسرا جملہ پڑھا۔ ”اور اُن کے لئے جو لوگوں کی خطا معاف کر دیتے ہیں“ آپ نے فرمایا کہ میں نے تجھے معاف کیا۔ غلام نے تیسرا جملہ پڑھا ”اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے“ اب امام حسین کا غصہ بالکل رفع ہو چکا تھا آپ غلام کی خطا معاف کر چکے تھے۔ اور آپ کا دل بالکل نرم ہو رہا تھا۔ آپ نے ارشاد کیا کہ اب تو میرا غلام نہیں ہے

تو آزاد ہے اور اُس کو چار سو دینار عطا کئے گئے۔

تم یہ تسلیم کرو گے کہ حسین کی طبیعت میں کوئی شریفانہ جوہر تھا جس کے قابو میں رکھنے کی ضرورت تھی۔ پس اگر تمہارے والدین یا استاد تم کو یہ ہدایت کریں

کہ تم اپنی طبیعت کو روکو، تو اس سے اُن کا یہ مطالب نہیں ہے کہ تمہاری تیزی اور جودت کو روکیں بلکہ اُن کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح عمدہ گھوڑے کو رکام کو قابو میں رکھتے ہیں اسی طرح تم اپنی طبیعت کو قابو میں رکھو۔

رہنے کے لئے کون سی جگہ اچھی ہوگی؟ صاف مستحرام محل یا سیلا کچھلا جھوٹا

لے اخلاق اسلام مصنفہ سید امیر علی۔

بلاشبہ محل بہتر ہوگا۔ لیکن اگر محل نہ ہو تو کم سے کم صاف ستھرا مکان جو عمدہ جگہ پر واقع ہو ہر حالت میں کثیف جھوڑے سے جو بُرے محلے میں واقع ہو بہتر ہوگا۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت محمدؐ معراج کو گئے اور جنت کی سیر کی تو وہاں آپ کو چند عالی شان محل نظر آئے جو بلندی پر واقع تھے اور جہاں سے تمام جنت کا منظر دکھائی دیتا تھا۔ آپ نے جبریلؑ سے دریافت کیا کہ یہ مکان کس کے ہیں؟ جبریلؑ نے جواب دیا کہ یہ ان لوگوں کے لئے ہیں جو اپنے غصے کو روکنے اور قصور داروں کے قصور صاف کر دیتے ہیں۔ بلاشبہ اُس نیک طینت آدمی کا دل خود ایک عالی شان محل ہے جو لوگوں کے

قصور صاف کر دیتا ہے۔ برخلاف جس کی طینت میں غیظ و غضب کا مادہ ہو اُس کے دل کی مثال ایسے کثیف جھوڑے کی ہے جو بُرے محلے میں واقع ہو جہاں

ہر وقت غل اور ہنگامہ رہے۔ ہمارا دل ایک مکان کے مانند ہے جس کو ہم چاہیں خوشنما اور آرام دہ بنا سکتے ہیں جہاں سے خوش گواری اور سریلی آوازیں آئیں۔ یا اُس کو کثیف تکلیف دہ اور پُر شور بنائیں۔ جہاں کی آوازیں کانوں کو ناگوار بنیں۔

ایک شخص کا قصہ ہے کہ اُس نے غصے میں آکر اپنی کمان کو توڑ ڈالا۔ اُس کا نام کسانئی تھا۔ یہ شخص صحرائی عرب تھا اور بڑا مشہور شاعر گذرا ہے۔ اُسکے پاس ایک نہایت عمدہ کمان تھی۔ ایک رات کو وہ گورخر کے شکار کو گیا۔ اُسنے گورخر کے سونگی آہٹ سن کر اس زور سے تیرا مارا کہ اُسکا تیرا ایک گورخر کو توڑ کے نکل گیا اور سب اڑھیاں کر گئی۔

۱۰ اسطرن ترجمہ فریج مترجمہ ریٹ۔

کسائی کو خیال ہوا کہ اُس کا نشانہ خطا کر گیا۔ اُس نے اسی طرح پانچ تیر لٹائے اور ہر دفعہ یہی واقعہ پیش آیا۔ پانچویں دفعہ غصے میں آکر کسائی نے کمان کو توڑ ڈالا جب صبح ہوئی اُس وقت اُس نے پانچ گور خر مرے دیکھے لے

اگر کسائی کی طبیعت میں تھوڑا سا تحمل ہوتا اور وہ صبح ہونے کا انتظار کرتا تو وہ اپنے مزاج کو بھی برہم نہ ہونے دیتا اور اپنی کمان کا نقصان بھی نہ کرتا۔ مگر ہم لکڑی کے گھوڑوں کو لگام نہیں دیتے اور دیتے بھی ہیں تو وہ لگام کھلونا ہوتی ہے۔ محض لگام دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ گھوڑے میں کام کرنے کا مادہ ہے اور اس مادہ کو راہ پر لگایا گیا ہے آدمی میں بہادری اور سن چلے پن کا ہونا اچھی بات ہے۔ جس آدمی میں یہ بات نہ ہو وہ کسی کام کا نہیں یہ تو غلاموں کی خاصیت ہے کہ وہ ضرورت سے زیادہ تحمل کرتے ہیں اور انہیں بالکل دلولہ نہیں ہوتا۔ شاید ایسا تحمل ابو عثمان میں ضرورت سے زیادہ تھا۔

کہتے ہیں کہ ابو عثمان کے ایک دوست نے اُسکو دعوت دی۔ جب ذہ اُس کے

مکان پر گیا تو سیزبان نے گھر سے نکل کر معافی مانگی اور کہا کہ میں آپ کو اس وقت گھر میں نہیں لے جا سکتا۔ آپ کو زحمت ہوئی۔ ابو عثمان یہ سن کر واپس آیا۔ ابھی وہ اپنے مکان کے اندر داخل نہ ہو تھا کہ اُس کے دوست نے پیچھے سے آکر آواز دی اور پتلا کر لے گیا۔ دوبارہ بھی اُس نے وہی حرکت کی کہ اپنے دروازے پر پہنچ کر معافی مانگی

لے سفقات حریری ستر جمہ فی چیزای

چار مرتبہ اُس نے ایسا ہی کیا اور چاروں مرتبہ ابو عثمان بغیر کچھ کسمے سمنے واپس آبا اور
 تیور پر ذرا بل نہ آنے دیا۔ اُس وقت اُس کے دوست نے کہا کہ ابو عثمان میں نے یہ
 حرکت فقط تمہارا تحمل آزمانے کے لئے کی تھی۔ ابو عثمان نے جواب دیا کہ میرے نے
 کوئی قابل تعریف کام نہیں کیا یہ تحمل ایسا ہے کہ جو گتے میں بھی ہوتا ہے۔ اُس کو
 جب بلاؤ دوڑ کر آتا ہے اور جب دوستکار دوچلا جاتا ہے۔

ابو عثمان کا یہ کننا بیچ ہے مگر وہ انسان تھا گتہ تھا، اور ہر چند ہم اُس کے اُس
 تحمل کی تعریف کریں گے لیکن یہ بھی کہیں گے کہ اُس نے جو اپنے دوست کو اتنی بار
 اپنے علم سے فائدہ اٹھانے دیا یہ عقلمندی نہیں کی لے

قوموں میں بھی تحمل کا مادہ ہوتا ہے اور قومیں بھی اپنے ویلوں کو دبا سکتی ہیں۔
 بعض اوقات کسی قوم کو بھی غیظ آجاتا ہے مگر جس طرح ایک تنفس انسان کو اسکی
 ضرورت ہے کہ وہ اپنے غصے کو روکے اسی طرح ایک قوم کو بھی اس کی ضرورت ہے
 کہ وہ تحمل سے کام لے۔ مثلاً ۱۹۰۴ء میں جبکہ روس و جاپان میں لڑائی ہو رہی تھی

روسی جنگی جہازوں کا ایک بیڑہ یورپ کے مغربی سمندر سے ساحل ایشیا کی طرف جا رہا
 تھا۔ اندھیری رات میں روسی جہاز سمندر میں ہر طرف چورفتلہ یلوں سے روشنی
 ڈال رہے تھے اُس وقت اُن کو چند چھوٹی کشتیاں دکھائی دیں جنکو وہ سمجھے کہ جاپان کی
 نارپیڈ کشتیاں ہیں اور انہوں نے یقین کر لیا کہ وہ ہمارے جہازوں کو تار پیڑ و مار کر مغرت پہنچائی گئی۔

روسی امیرالبحر نے فوراً گولہ باری کا حکم دیدیا۔ مگر افسوس یہ کشتیاں بے ضرر ماہی

گیروں کی تھیں جو اپنی اور اپنے گھر والوں کی روزی کی تلاش میں نکلے تھے
دو ماہی گیر بلاک ہوئے۔ کچھ زخمی ہوئے۔ چند گھنٹوں کے بعد یہ خبر انگلستان میں
پہنچی مگر قوم نے اُس کو خاموشی کے ساتھ سنا۔ اُن کو تعجب ضرور ہوا کہ ماہی
گیروں کے مارے جانے کا افسوس بھی ہوا مگر وہ خاموش رہے اور روس کے
ساتھ جنگ پر آمادہ نہ ہوئے اور روسی بیڑے کا تعاقب نہیں کیا۔ انہوں نے اپنی
گرمائی ہوئی طبیعتوں کو روکا اور اپنے غصے کو لگام دی۔

پیرس میں اس واقعہ پر غور کرنے کے لئے ایک کمیشن بیٹھا۔ جس میں پانچ
سنجیدہ آدمی جو پانچوں امیرالبحر تھے (ایک روسی۔ ایک انگریز۔ ایک فرانسیسی
ایک آسٹریائی اور ایک امریکن) شریک تھے۔ آخر کمیشن نے یہ فیصلہ کیا کہ روس
کو پینہ چھ ہزار پونڈ زخمی اور مقتول ماہی گیروں کو تاوان دینا چاہئے۔

اس قحطی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک قوم کی قوم نے کس طرح اپنے جذبات
کو روکا اور غصے پر غالب آئی۔

بیس برس کا ایک نوجوان بہ ہماچار ہی تھا۔ یہ شخص بڑا ہوشیار تھا اور باتنا
بھی تھا کہ میں ہوشیار ہوں۔ اور اُسے اس کا شوق تھا کہ جتنا موسکے ہنر حاصل
کرے، تاکہ لوگ اُس کی لیاقت کی تعریف کریں۔ اس مقصد کے پورا کرنے کے لئے
اُس نے سفر اختیار کیا اور ملکوں ملکوں پھرا۔

ایک مقام پر اُس نے ایک شخص کو تیر بناتے ہوئے دیکھا اور اُس سے تیر بنانا سیکھا۔ ایک اور ملک میں پہونچا اور وہاں جہاز بنانا سیکھا۔ ایک اور ملک میں گیا اور وہاں مکان بنانا سیکھا۔ غرض کہ اسی طرح اُس نے سولہ ملکوں کا سفر کیا اور جب وہ اپنے وطن کو واپس ہوا تو لوگوں سے فخر نہ پوچھا کہ کیا کوئی اور بھی ایسا ہونٹیا رہے جیسا میں ہوں۔ مہاتما بدھ نے اُسے دیکھا اور اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ایک ایسا ہنرمند اس کو سیکھائیں جو اُن سب ہنرمندوں سے زیادہ شریف ہو جو اب تک اُس نے سیکھے تھے اس خیال سے مہاتما ایک بڑھے برہمن کا بھیس بنا کے اُس کے پاس گئے اور اُس سے بھیک کا سوال کیا اور دونوں میں یہ گفتگو ہوئی:-

برہما چاری سے تم کون ہو؟

مہاتما میں وہ انسان ہوں جو اپنے نفس پر قدرت رکھتا ہوں،
برہما چاری سے تمہارا کیا مطالب ہے؟

مہاتما تیر بنانے والا تیر بنانا ہے۔ کشتی چلانے والا کشتی کو راہ پر لگاتا ہے مکان بنانے والا مکان بنانے پر قدرت رکھتا ہے۔ مگر عقلمند آدمی اپنے نفس پر قادر ہوتا ہے۔
برہما چاری۔ وہ کیونکر؟

مہاتما۔ دو اگر لوگ اسکی تعریف کرتے ہیں جب بھی وہ خوش رہتا ہے اور اگر کوئی
کشتی میں جب بھی خوش رہتا ہے کیونکہ وہ اخلاق کے عمدہ اصولوں کا پابند ہوتا ہے اسلئے اسکا نفس مطمئن رہتا ہے۔

اسے ماخوذ از کتاب دھرم پادھیما۔ مترجم: بیل صاحب

سبق ساتواں

انتظام یا ترتیب

انتظام کرنا اور ترتیب کا پتہ لگانا انسانی کی بڑی کامیابی ہے۔ منجم اپنی انگلیوں کو آسمان کی طرف لگاتا ستاروں کا نقشہ تیار کرتا اور ان کے الگ نام رکھتا ہے وہ آفتاب کے گرد پھرنے والے مثلاً زہرہ مشتری مریخ زحل وغیرہ ستاروں کی رفتار کا اندازہ لگاتا رہتا ہے۔ اور جب بے نور چاند آفتاب اور زمین کے درمیان پڑے تو اسے اندھیرا پھیلا دیتا ہے جس کو گھن کہتے ہیں اُس وقت وہ منجم انھیں ستاروں سے حساب لگا سکتا ہے۔ یہ منظم یا باقاعدہ علم نجوم کہلاتا ہے۔

اب علم حساب کو دیکھو اس میں انتظام کی روح ہے۔ ایک چھوٹے بچے کو اعداد کو ترتیب کے ساتھ گننے میں خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور جب وہ اپنے ہاتھوں اور بیروں کی انگلیاں، یا انگریاں وغیرہ گننے لگتا ہے تو بہت جلد اُسکو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک پانچ۔ تین دس دس گنا ہے اور اس کو ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ وغیرہ گننے میں لطف آتا ہے۔ اسی طرح حساب کے سارے عمل میں ترتیب کا خیال رکھنا چڑتا ہے۔ چاہے یہ حساب مدرسے کے بچوں کے سوالات ہوں یا دفتر اور دوکان کے جمع خرچ وغیرہ کے حسابات ہوں۔

اگر ترتیب نہ ہو تو موسیقی کا کیا حشر ہو۔ موسیقی میں آٹھ وزن میں جن کو مگر کہتے ہیں

اور وہ یہ ہیں۔ ”ڈو۔ ری۔ می۔ فا۔ سول۔ لا۔ ٹی۔ ڈو“ ان آٹھ سروں پر تمام
 راتوں کی بنیاد ہے۔ چاہے آدمی کی آواز سے مرکب ہوں یا ساز ہوں۔ ان
 سروں کو ایک خاص طریقے سے ترتیب دیکر آواز میں راگ یا لحن پیدا کیا جاتا ہے۔
 مثلاً اگر تم پیانو میں ”ڈو۔ ری۔ می۔ فا“ کو ملا کر بجاؤ تو اس سے جو آواز پیدا ہوگی وہ
 کانوں کو بڑی سی معلوم ہوگی۔ بجائے اس کے اگر تم ”ڈو۔ می۔ سول۔ ڈو“ ان چار
 سروں کو ملا کر بجاؤ تو اس سے جو آواز پیدا ہوگی وہ بھلی معلوم ہوگی۔ اس آواز کو انگریزی
 میں ”کارڈ“ کہتے ہیں جس کے معنی ”سبیل کھانے کے ہیں۔“

فرض کرو کہ تم دو گھروں میں گئے۔ ایک میں تم نے دیکھا کہ وہاں جو سامان ہے
 وہ ابھرا ڈومر پھیلا پڑا ہے۔ اس طرح کہ جو چیز جہاں ہونی چاہئے وہاں نہیں ہے اور
 جو جہاں نہ ہونی چاہئے وہاں ہے۔ جو چیز ہے گردوغبار میں اٹی ہے، تو تمہارا ہی
 زبان سے یہی نکلے گا کہ کیسی بے ترتیبی اور بدانتظامی کا منظر ہے۔ ایسی حالت میں تم
 سامان کو برائے کہو گے بلکہ صاحب خانہ کو الزام دو گے کہ وہ بدسلیم اور بدانتظام ہے۔
 دوسرے مکان میں جب تم دیکھو گے کہ جو چیز ہے وہ صاف ستھری اور اپنے ٹھکانے
 سے رکھی ہے اس وقت تم یہی کہو گے کہ اس گھر کا مالک کیسا باسلیمہ اور خوش انتظام ہے
 مدرسے میں ایک لڑکا اپنی کتابیں کاغذ نقشے اور وغیرہ صاف اور عمدہ حالت میں
 رکھتا ہے، دوسرا ان کو میلا کرتا ہے پھاڑ ڈالتا ہے اور بے جگہ رکھتا ہے۔

اگر ریل کا انتظام ٹھیک نہ ہو تو وہ کس طرح چل سکتی ہے۔ پورٹر۔ کارڈ۔ ڈیویں

اسٹیشن ماسٹر۔ مقصدی اور دوسرے ملازموں کو اپنی نوکری پر حاضر رہنا چاہئے۔ اور وقت پر حاضر رہنا چاہئے۔ اسٹیشنوں کی ریلواریوں پر تم ریل کے آنے جانے کے اوقات کا تختہ دیکھتے ہو۔ یہ تختہ اوقات ایسا عمدہ آئینہ ہے۔ جس میں ریل کے تمام کاموں کا صحیح عکس نظر آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک گاڑی دس بجے صبح کے روانہ ہوتی ہے، دوسری دوپہر کو، ایک اور ۴ بجے ۱۵ منٹ شام کو۔ اسی طرح ایک ۹ بجے ۱۵ منٹ صبح کو آتی ہے دوسری ایک بجے ۵۵ منٹ دن کو اور تیسری آدھی رات کو وغیرہ وغیرہ۔

اگر اتفاقاً ڈریور یا کارڈ یا کسی دوسرے ملازم ریلوے کی غفلت سے گاڑی وقت پر روانہ نہ ہو یا وقت پر نہ آئے تو تیار رہو اور خانگی کاروبار میں خرابی پیدا ہو۔ وقت کی ملاقات مقررہ وقت پر نہ ہو سکے۔ ڈاکٹر کو جو وقت مریض کے پاس پہنچنا چاہئے نہ پہنچ سکے۔ نلہ اور کپڑا ضرورت کے وقت پر شہروں اور قصبوں میں نہ جاسکے اسی طرح بہت سے کام اس روز کے رہیں اور انتظام بگڑ جائے۔

اگر فوج میں انتظام نہ ہو تو اس کا نتیجہ کیا ہو؟ فرض کرو کہ سپاہی کبھی افسر کا حکم مانے اور کبھی نہ مانے۔ یا تھوڑے سپاہی حکم کی تعمیل کریں اور تھوڑے نہ کریں۔ کچھ لوگ وردی پہنیں اور کچھ نہ پہنیں۔ بعضے بگل کی آواز پر اٹھیں اور بعضے نہ اٹھیں جنرل ایک حکم دے اور اُس کے ماتحت کپتان کچھ اور حکم دیں۔ کیا تمہارے خیال میں ایسی فوج قابل تعریف ہو سکتی ہے؟ کیا ایسی فوج اپنا کام پوری طرح انجام دے

سکتی ہے؛ کیا وہ بغاوت اور بد امنی کو فرو کر سکتی ہے؛ کیا ایسے سپاہی اپنی عزت
 آپ کر سکتے ہیں؛ کیا ان کو ایسے بھیڑیاد و حصان مجمع میں شریک ہونے کا فخر
 ہو سکتا ہے؛ کیا لڑائی کے وقت ایسی فوج نشان کو چھوڑ کر بھاگ نہ جائیگی؟

کسی ملک کی حکومت سے مراد ملک میں انتظام قائم رکھنے سے ہے نہ شاہ یا
 بادشاہ یا ریجنٹ کا درجہ سب سے اوپر ہوتا ہے اور ارکان حکومت میں سے
 سب سے چھوٹا درجہ پولیس کے سپاہی کا ہے جو راستوں اور سڑکیوں پر لوگوں
 کی طرز و روش کی نگرانی کرتا رہتا ہے۔ لیکن ہر شخص اپنا انتظامی فرض
 پورا کرتا ہے اور ایک شخص ایک باقاعدہ تابع قانون ملک کی عالی شان عمارت
 کے بنانے میں اپنا معزز فرض ادا کرتا ہے۔

گھڑی جو ہم کو وقت بناتی ہے ترتیب اور باقاعدگی کا بہت اچھا نمونہ ہے
 اگر گھڑی اپنا کام ٹھیک ٹھیک انجام نہ دے تو محض بیچارہ ہے اور اس سے کاروبار
 میں بجائے درستگی کے خرابی پیدا ہو۔ گھڑی یا صحیح ہونا چاہئے یا ہونا ہی نہ چاہئے
 اس لئے غلط گھڑی ایسی ہی تکلیف دہ اور کام خراب کرنے والی ہے جیسے بدست

اور جھگڑا آدمی۔ یہی حال دوسری کلوں کا بھی ہے۔ سینے کی کل۔ انجن۔ جہاز
 ہوائی جہاز۔ تار برقی کے آلات وغیرہ۔ کسی کل کو کام کرتے ہوئے دیکھو تو کیسا
 اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ہر بہیا اور ہر پرزہ کس باقاعدگی سے اپنا کام کرتا رہتا ہے۔ اس کو
 دیکھ کر ایسی ہی خوشی ہوتی ہے جیسے کھیت میں پیداوار کو پابندی سے زمین

کوشاداب ہوتے ہوئے یا پھلے پیولے خانہ باغ کو دیکھ کر۔

پہلے پہل ہم کو باقاعدگی سیکھنے میں کسی قدر تکلیف ہوتی ہے۔ تم جب حساب یا صرف و نحو یا موسیقی شروع کرتے ہو تو اس کے قاعدے تم کو آسانی سے نہیں آتے۔ اسی طرح کشتی چلانا۔ تیرنا۔ قواعد کرنا بھی ٹھوڑی سی محنت کے بعد آتا ہے۔ یہی حال کل باتوں کا ہے۔ لیکن چند دنوں کے بعد تم باقاعدگی کے عادی ہو جاتے ہو اور پھر تم کو قاعدے سے کام کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ بلکہ اگر کوئی کام بے قاعدہ ہو جاتا ہے تو ناگوار ہوتا ہے۔ جب تم نے پہلے انگلی کی پکڑ کر چلنا سیکھا اس وقت تم بہت سی غلطیاں کرتے تھے۔ جس سے گر پڑتے چوٹ کھاتے اور روتے تھے مگر آج تم اچھی خاصی طرح چلتے اور دوڑتے ہو۔ اور اس میں تم کو مزہ آتا ہے۔ اس لئے کہ چلنا اور دوڑنا اعضاء اور رگوں کی باقاعدہ ورزش کا عمدہ نمونہ ہے۔ فرض کرو کہ تم تانبے کے پتھر پر کسی انسان یا پرندے کی تصویر کھوونا چاہو ایک انگریز کا ریگریہ کرے گا کہ پہلے پتھر پر تصویر کا نشان ڈال دیکھا اور پھر کسی اوزار سے اس کو کھودے گا۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ بنا اس کے ٹھٹھیرے ایسے ہوشیار ہیں کہ ان کو تصویر کا خاکہ بنانے کی بھی ضرورت نہیں۔ وہ جس کی تصویر کھینچنا چاہتے ہیں اس کے خیالات اور جذبات وغیرہ کا نقش ایسا ان کے ذہن نشیں ہے کہ وہ بغیر نشان ڈالے ہوئے یوں ہی کھودنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ پتیل کی تختی یا پیالی وغیرہ اپنے پیروں میں مضبوط دبا لیتے ہیں اور چھینی بائیں ہاتھ میں اور ہٹوڑی داہنے

ہاتھ میں لے کر کھٹا کھٹا کھٹا کھٹو نا شروع کر دیتے ہیں، اور راما سیتیا اور کرشنا اور دوسرے دیوتاؤں یا بہادروں کی تصویروں جن کا ذکر ہندو سنان کے قصوں میں بے تیار کر لیئے ہیں۔

باقاعدہ کام کا گڑ کار یگر کے ہاتھ میں ہے۔ ممکن ہے کہ تم بھی کار یگر ہو جاؤ اور پیتل لکڑی یا چمڑے کا کام کرو۔ یا تم کو کبھتی کرنا یا اپنے گھر کا کام یا کسی دوکان یا دفتر کا انتظام کرنا پڑے۔ یا اپنے ماتحت ملازمین کی نگرانی کرنی ہو تو اُس وقت اگر تم میں باقاعدگی ہے تو تم اپنے فرض کی بے غلگی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے سکو گے اور اس میں تم کو مسرت حاصل ہوگی۔

پابندی وقت کی ایک مزہ دار حکایت

عرب میں کسی خاتون کے پاس ایک خدمتگار تھا۔ ایک دن خاتون نے اُس کو حکم دیا کہ چولہا جلانے کو ہمسائے کے گھر سے آگ لے آ۔ نوکر گھر سے چلا تو اُس کو ایک قافلہ ملا جو مہر جا رہا تھا۔ وہ قافلہ والوں کے ساتھ ہو لیا اور مصر چلا گیا وہاں سے کامل ایک سال کے بعد واپس ہوا اور ہمسائے کے گھر جا کر آگ لی اور اپنی مالکہ کے گھر چلا اتفاق سے اُسکو ٹھوکری لگی اور جلتی ہوئی لکڑی ہاتھ سے گر کر کچھ گئی، اُس وقت اُس نے کہا: جلدی بھی کیا بڑی چیز ہے۔“

سبق آٹھواں

تھل اور استنقلال

فرض کرو کہ میں تم سے ایک بھاری وزن لے کر چپکے کھڑے رہنے کو کہوں،
اور تم اُسے لے کر کھڑے رہو۔ یہ تھل ہے۔

یاد رکھو کہ تھل کو وزن لے کر چلنا نہیں پڑتا ہے۔ تم سے صرف اسی قدر کہا گیا ہے
کہ تم سر پر بوجھ لے کر چپ چاپ کھڑے رہو۔

تھل آدمی کا قاعدہ ہے کہ اگر وہ کہیں جاتا ہو اور راستے میں مینہ پڑنے لگے
تو آسرا دیکھ کر اُس وقت کھڑا رہے گا جب تک کہ پانی نکل نہ جائے۔ بر خلاف
اُس کے جو آدمی بے صبر ہو گا وہ گھبرائے گا اور بے چین ہوگا۔

تھل عورت اُس وقت تک خاموش رہیگی جب تک اُس کے خاوند کا عصہ
ٹھنڈا نہ ہو جائے۔ اور جو غیر تھل ہے وہ اُلٹ کر جواب دیگی اور اس طرح اپنے
خاوند کے غصے کو اور بھڑکائے گی۔ جس کا نتیجہ بہتر نہ ہوگا۔

ایوب جو ملک شام کے ایک سردار اور پیغمبر تھے اور جن کو کئی سو برس کا زمانہ
گزرا ہے اُن کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ سات ہزار بکریاں۔ تین ہزار
اونٹ۔ پانچ سو جوڑی بیل پانچ سو خچر اور بہت سے غلام تھے، خلاصہ یہ کہ وہ
بہت بڑے آدمی تھے۔

ایک دن ایک قاصد دوڑتا ہوا آیا اور نہایت بیتابی سے کہنے لگا کہ ”یا حضرت آپ کے مویشیوں پر بہت بڑی بلا نازل ہوئی ہے۔ بیل کیفیتوں میں ہل چلا رہے تھے اور تھجرو ہیں چر رہے تھے کہ صحرائی، ٹیئسروں کا ایک گروہ آیا اور آپکے غلاموں کو قتل کر کے سارے مویشیوں کو ہانک لے گیا۔ اکیلا میں بھاگ کر آپ کے پاس بیخبر لایا ہوں۔ تھوڑی دیر میں دوسرا آدمی دوڑتا ہوا آیا کہ یا حضرت بڑا غضب ہوا بجلی کے گرنے سے آپ کی کل بکریاں اور چرواہے ہلاک ہو گئے۔ میں اکیلا بیچ کر یہاں آیا ہوں۔ تیسرا قاصد دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ خالدہ کے ٹکاؤ آپ کے سب اونٹ پکڑ لے گئے اور سوا میرے تمام شتر بانوں کو ہلاک کر ڈالا۔

چوتھا شخص روتا ہوا آیا اور عرض کرنے لگا کہ آپ کے ساتوں بیٹے اور تینوں بیٹیاں فلاں مکان میں مصروف طعام تھے کہ ایک زبردست آندھی آئی جس سے مکان گر پڑا اور بجز میرے جتنے لوگ اندر تھے سب دب کر ہلاک ہو گئے۔

یہ افسوس ناک خبریں سن کر ایوب اٹھے، اپنا لڑکیاں چاک کی جو سوگواروں کی علامت ہے اور زمین پر سجدے میں گر کر خدا کی درگاہ میں اس طرح عرض کرنے لگے۔

”میں دنیا میں برہنہ اور خالی ہاتھ آیا تھا اور اسی طرح یہاں سے جاؤں گا جو کچھ میرے پاس تھا وہ تیرا ہی دیا ہوا تھا اور تو نے ہی مجھ سے واپس لے لیا۔ سو اب میرا نام کے کسی چیز کو دنیا میں بقا نہیں ہے“

اس کے بعد ایوب پر اور مصیبتیں نازل ہوئیں۔ وہ ایک سخت مرض میں مبتلا

ہوئے جس سے اُن کے تمام بدنیں کیڑے پیدا ہو گئے تھے۔ اور وہ شب و روز
فرش خاک پر لوٹا کرتے تھے جب کبھی اُن کی بیوی اُن سے کہیں کہ تم خدا سے دعا کیوں
نہیں کرتے تو وہ جواب میں فرماتے کہ جب خدا نے ہم کو آرام دیا تھا تو اب اُس کی دی
ہوئی تکلیف بھی اٹھانی چاہئے۔ یہ قصہ ہے ایوبؑ کے صبر یا تحمل کا۔ اور اس طرح اُس

صابر بزرگ نے مصیبتوں کو خاموشی کے ساتھ برداشت کیا ہے
پنجاب میں کسی شاعر نے اسی مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے۔

شعر
سدا نہ باغیں بلبل بوئے سدا نہ باغ بہاراں

سدا نہ باغ خوشی دے ہوندے سدا مجلس یاراں

یعنی نہ باغ میں ہمیشہ بلبل بولتی ہے اور نہ باغ میں ہمیشہ بہار رہتی ہے نہ بادشاہ
ہمیشہ عیش و عشرت کے ساتھ سلطنت کرتا ہے اور نہ دوستوں کا جمع ہمیشہ
قائم رہتا ہے مطلب یہ ہے کہ جب ہمارے امکان میں نہیں ہے کہ ہمیشہ خوشی
کی زندگی بسر کریں تو ہم کو رنج اور تکلیف کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے جو کبھی نہ کبھی
ضرور پیش آئی ہوگی۔

مگر اب فرض کرو کہ میں تم سے صرف خاموشی کے ساتھ کوئی بوجھ لے کر کھڑے
رہنے کے لئے نہ کہوں بلکہ حکم دوں کہ تم اُس کو لیکر کچھ دور جاؤ۔ فرض کرو کہ تم اُس کے
لے جانے میں تھک جاؤ لیکن پھر کبھی میری خوشی کے لئے بوجھ لے چلے جاؤ۔ یہ بھی
تمل ہے مگر اس کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور یہ ایسا تحمل ہے جو تم کو منزل کی طرف

سے کتاب ایوب انجیل مقدس

لے جاتا ہے۔ اسی کو استقلال کہتے ہیں۔

رومیوں کی ابتداء میں ایک چھوٹی سی قوم تھی۔ اور پہلے انھوں نے ایک

چھوٹا سا شہر آباد کیا تھا۔ یہ مثل مشہور ہے کہ ”شہرِ روم“ ایک دن میں آباد نہیں ہوا
تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ رومیوں نے اپنی طاقت کو رفتہ رفتہ بڑھا دیا اور

ایک ملک کے بعد دوسرا ملک فتح کرتے گئے یہاں تک کہ بحرِ متوسط کے اردگرد جزیرہ
ملک ہیں ان سب کے مالک ہو گئے۔ یہ ان کا استقلال تھا۔

اطالیہ کا مشہور جہاز ران کولبس اسپین سے نکل کر نہ معلوم سمندروں کو طے

کرتا ہوا مغرب کی طرف چلا گیا حالانکہ اُس کے ہمراہیوں نے اس اجنبی سمندر میں

جہاز لہجانے پر بہت کچھ غل بھنگا مہ کیا مگر وہ ہمت نہ ہارا۔ یہاں تک کہ ان جزیروں کے کنارے

پہنچ گیا جنکا تعلق امریکہ سے تھا اور اس طرح ایک نئی دنیا کا پتہ لگایا۔ یہ اُسکا استقلال تھا

گوری قوموں نے امریکہ میں ایک سلطنت قائم کی جو ریاست ہائے متحدہ کہلاتی ہے

اور ملکی باشندوں کو غلام بنا کر ان سے اپنے کجبتوں میں کام لینے لگے۔ ان میں چند گورے

لوگ ایسے تھے جو اُس کے خلاف تھے۔ رفتہ رفتہ ان مخالفانِ غلامی کی تعداد بڑھتی

گئی اور وہ یہی کہتے۔ ہے کہ ملکوں کو اس طرح غلام بنانا جائز نہیں ہے۔ آخر کار

آپس میں بہت بڑی لڑائی ہوئی جس میں شمالی ریاستوں کو فتح ہوئی اور انھوں نے

تمام جتنی غلاموں کو آزاد کر دیا۔ یہ لوگ جنھوں نے غلاموں کی حمایت

پر کمر باندھی تھی کبھی ہمت نہیں ہارے اور آخر کار کامیاب ہوئے۔ یہ انکا استقلال تھا

اب ہم ہندوستان کی تاریخ سے ایک مثال پیش کرتے ہیں مشہور رشی
 شنکر جس کے نام سے یلبار کو عزت ہے۔ جہاں وہ اب سے بارہ سو برس پہلے
 پیدا ہوا تھا۔ بچپن ہی سے اُس کے دل میں سنیاسی بننے کا خیال پیدا ہوا۔ اُسکی ماں نہیں
 چاہتی تھی کہ شنکر سنیاسی بنے۔ ہر چند وہ جانتی تھی کہ اُس کے بیٹے کی خواہش پاک
 ہے۔ ایک دن ماں بیٹے دونوں ندی پر نہانے گئے جو اُس وقت طوفانی ہو رہی
 تھی شنکر نے غوطہ لگایا اور فوراً ہی ایک لگر ٹچھ نے اُس کا پاؤں پکڑ لیا۔ اس وقت
 موت اُس کی آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی۔ مگر اس معیبت میں بھی اُس بہادر
 نوجوان نے اپنے ارادے کو نہیں چھوڑا اور اپنی ماں سے پکار کے کہنے لگا۔

”اماں میں جانا ہوں۔ گمہ چھو مجھ کو کھینچنے لے جانا ہے“

مجھے اجازت دو کہ میں سنیاسی ہو کر مروں“

ماں نے رو کر جواب دیا۔ ”اچھا بیٹا اچھا، شنکر نے کسی نہ کسی طرح اپنا پیر لگر
 سے چھوڑ لیا اور بیچ کر نکل آیا۔ یہاں تک کہ وہ ایک بہت بڑا گرو ہوا اور مرتے دم
 تک اپنی بات پر قائم رہا اور تمام عمر دھرم کی تعلیم دینے میں صرف کی۔

جو لوگ ہندوستان سے محبت رکھتے ہیں وہ ہماری بھارت کی مشہور و معروف

نظم سے کبھی واقف ہیں جو کئی صدی قبل سنسکرت زبان میں لکھی گئی تھی لیکن جب

پس رخ رہا بھارت کو پڑھنے کا ارادہ کیا تو سنسکرت کی اصل کتاب میرے کئی کلم کی نہ تھی۔

اس لئے کہ میں انگریزوں اور سنسکرت نہیں جانتا۔ مجھے انگریزی ترجمے کی ضرورت ہوئی

میرے ایک دوست نے مجھے اس کانگریسی ترجمہ ہم پہنچا دیا جو گیارہ جلدوں میں تھا گیارہ صوفیوں جلد کے شروع میں ایک خوش رو آدمی کی تصویر نظر آئی جو ایک دھاری دار پگڑی سر پر باندھے اور ایک سوتی کپڑے کا چُفہ پہنے ہوئے تھا۔ اُس کا بایاں ہاتھ ایک کتاب پر تھا جو اُس کے بائیں گھٹنے پر رکھی ہوئی تھی۔ ایک اور جلد اُس کے داہنے ہاتھ کی طرف میز پر دھری تھی۔ تصویر کے نیچے لکھا تھا:-

”باپو پر تاب چند رائے“

اُس کی تصویر سے ذرا بھی بوڑھا پانہیں پایا جاتا تھا۔ اُس کی آنکھوں سے

استقلالِ ظاہر تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی دور کے مقصد تک پہنچنا چاہتا ہے اور کسی روک ٹوک کی پروا نہیں کرتا۔ اس کا یہ مقصد کتاب مہابھارت کے ترجمہ انگریزی کا چھاپنا اور شائع کرنا تھا۔ اور آخر وہ کتاب چھپی اور شائع ہوئی۔

پر تاب چند رائے نے اپنے ایک دوست کساری موہن گنگوئی کو مہابھارت کا

انگریزی ترجمہ کرنے پر آمادہ اور سوچتوں میں اُسکے شائع کرنے کا انتظام کیا۔

مگر افسوس ہے کہ جب ترجمہ کے کل چھ حصے شائع ہونے کو باقی رہ گئے اُس وقت

باہمت پر تاب چند رائے اس دُنیا سے اٹھ گیا۔ اُس نے بارہ سال تک اس کتاب کو

انگریزی کرنے میں صرف کیئے۔ وہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں اُسکی اشاعت کے

لئے چندہ مانگتا پھرا اور بہت سے غریب اور امیر اصحاب اور نیز اُسکے علم دوست احباب

نے جو یورپ اور امریکہ کے رہنے والے تھے چندہ دیا۔ جب وہ اسی چندے کیلئے سفر کر رہا تھا۔

اسے بخار آنے لگا جو اُس کی موت کا باعث ہوا۔

پر تاب چندر کوئی برطانوی نہ تھا بلکہ ایک معمولی کتب فروش تھا اور اُسکی جو کچھ

پونجی تھی وہ اُس نے مہابھارت کے ترجمے پر صرف کر دی۔ جب وہ اس اخیر بیماری میں بستر موت پر پڑا (۱۸۹۵ء) اس وقت بھی اُس کا سارا دھیان اسی ترجمے کی اشاعت کی طرف لگا ہوا تھا اور مرتے مرتے اُس نے اپنی زوجہ سے یہ وصیت کی کہ ”دیکھو

اس کتاب کو انجام کو پہنچاؤ۔ میرے نثر اور مراسمی پر روپیہ نہ صرف کرو اور جہاں تک ممکن ہو غربیاں زندگی بسر کر کے مہابھارت کی اشاعت کے لئے روپیہ بچاؤ۔“

پر تاب چندر آخر دم تک ہندوستان اور ہندوستان کی مشہور نظم کا دل دادہ رہا اُس کی بیوہ سندری بالابائی نے بھی اپنے فائد کی وصیت کو نہیں بچلایا۔ سترجم کتاب گنگوہی نے بھی وفاداری کے ساتھ کام کیا۔ یہاں تک کہ آخری حصہ جولائی ۱۸۹۶ء میں ہو کر شائع ہوا اور اس انگلستان کے ہر مرد اور عورت تک قدیم ہندوستان کی اس

مشہور تاریخی نظم کی آٹھوں جلدیں پہنچ سکتی ہیں جس میں پانچو بھائیوں کا قصہ اور گورکھنتر کی عظیم الشان لڑائی اور راجہ پوڈوہنتر کے بیکینٹھ جانے کی کہانی فکور ہے۔

اور جب وہ اس ترجمے کو پڑھیں گے تو ہندوستان کے قدیم شاعروں کی نازک اور بے ہنگام اور بے گنج جہنوں نے مہابھارت جیسی عجیب و غریب کتاب تعریف کی اور پر تاب چندر کی محنت کی قدر کریں گے جس نے اتنی بڑی کتاب کو ترجمہ کر کے شائع کیا۔

پر تاب چندر اے نے استغلال سے کام لیا۔

اسی طرح ہم ایوبؑ کے استقلال کا قصہ پڑھ چکے ہیں
ہم نے روبیوں کے استقلال کا حال بھی سُن لیا۔

ہم نے کولبس کے استقلال کی کہانی بھی پڑھی
ہم نے حبشی غلاموں کو آزاد کرنے والوں کے استقلال کا حال بھی پڑھا

ہم نے شنکر کے استقلال کا ذکر بھی سنا جو نہایت ناسیدی کی وقت میں اُس سے
ظاہر ہوا ہم نے آخر میں پرتاب چند رائے کے استقلال کا قصہ پڑھا۔

اے بہادر لڑکوں! اب یہ بناؤ کہ تمہارا دل کیا یہ نہیں چاہتا کہ نیک کام میں استقلال

دکھانے والے مردوں اور عورتوں کے زبردست گروہ میں داخل ہو۔ تم خود غور کرو کہ گھر
میں مدرسہ میں اور اس وسیع دنیا میں کون سے ایسے اچھے کام ہیں جن میں تمکو استقلال دکھانا چاہیے

سبق نواں

سادہ زندگی (۱)

حضرت محمدؐ جنہوں نے اپنی ساری عمر لوگوں کی ہدایت میں صرف کی اور جنگ و دولت

و آرام کی کبھی کوئی پروا نہ ہوئی ایک دفعہ گھڑی چٹائی پر سو رہے تھے جب سو کر اُٹھے
تو جسم پر چٹائی کے نشان پڑ گئے تھے۔ ایک صحابی نے عرض کی کہ یا رسول اللہؐ آپ نے

ایسے سخت بستر پر کیوں آرام فرمایا جس سے آپ کے جسم کو ایذا پہونچی۔ اگر آپ فرماتے
تو میں آپ کے لئے نرم بستر مہیا کر دیتا۔

حضرت نے جواب دیا کہ نرم بستر میرے لئے نہیں ہے۔ مجھے دنیا میں کام کرنا ہے میں اس وقت آرام لیتا ہوں جب حکم کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر میرا آرام لینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی سوار منزل طے کر رہا ہو اور راستہ میں ننھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جائے اور پھر آگے بڑھے۔ لہ

دیکھو آنحضرت نے اپنے صحابی سے فرمایا کہ مجھے دنیا میں کام کرنا ہے ایسی بات تھی جس نے آپ کی سادہ زندگی کو قابل فخر بنایا چنانچہ آپ خود فرماتے ہیں کہ فقیر میرا فخر ہے، آپ کو فرض رسالت ادا کرنا تھا آپ اپنا دیں عرب میں پھیلانا چاہتے تھے اور یہی خیال عیش و عشرت و دنیاوی کی فکر آپ کے دل میں نہیں آنے دیتا تھا۔ آپ کی توجہ نرم بچھو نے اور قیمتی فرنیچر کے بجائے بہت اعلیٰ مقصد کی طرف مبذول رہتی تھی۔

ذیل کی حکایت سے جس کا تعلق عرب سے ہے ظاہر ہو گا کہ سادہ زندگی میں ایک ایسے شخص کو جس کی جسمانی اور روحانی سمجھت اچھی ہو عیش و عشرت کی ضرورت نہیں اور عالی شان محلوں کی سکونت سے زیادہ آرام ملتا ہے۔

کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی کلب کی ایک لڑکی تھی جس کا بیسوں نام تھا۔ اس کی ابتدائی زندگی صحرائی منظر دل اور خیموں میں پرورش پا کے بسر ہوئی تھی۔ اور وہ کھجور کے باغوں اور نیل کے گلوں گھوڑوں کے گلوں اور عربستان کی چراگاہ ہوئیں تبدیل کر لی تھی۔

اتفاق سے اُس کی شادی خلیفہ معاویہ کے ساتھ ہوئی۔ اگرچہ خلیفہ بہت دولتمند تھا اور اُس کے محل میں صد ہا لونڈی غلام خدمت کے لئے موجود تھے مگر عالی شان قصور سامان عیش و عشرت سے اس صحرائی لڑکی کی روح کو راحت نہیں ملتی تھی۔

اکثر جب وہ تنہا ہوتی تو اپنی تصیف کے عربی اشعار پڑھا کرتی جن کا مضمون یہ ہوتا تھا:

”اونٹ کے بالوں کا کل میری نظر میں اس شاہانہ لباس سے بہتر ہے“
 ”صحرائی بچیوں میں رکب زندقی بسر کرنے میں جو آرام ہے وہ اس محل کے
 آراستہ کمروں میں نہیں ہے“

”ہمارے بچیوں کے اعظف پھیروں کو جنگل میں کلیلیں کرتے ہوئے دیکھ کر
 جو لطف آتا ہے وہ لطف یہاں کے ساز و سامان سے آراستہ
 گھوڑوں کو دیکھ کر نہیں آتا“

”صحرا میں ہماری راویوں کے پاس جب کسی اجنبی آدمی کو دیکھ کر ہمارا
 کتا بھونکتا ہے تو اس کی آواز جیسی سسلی اور خوش آئند معلوم ہوتی ہے
 ویسی شنا ہی گلارہ کے شہنا کی آواز نہیں ہوتی۔“

ایک دن بیسویں کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے خلیفہ نے سن لیا اور اُس کو اپنے
 محل سے نکال دیا۔ بیسویں (شاعرہ) اپنے قبیلے میں واپس گئی اور پھر خلیفہ کے محل
 کی طرف سنہرے پھیر کے بھی نہ دیکھا لے

لے از بیک پوٹیز نارائنگلش ریڈرس معنفہ کلوٹن - ۱۲

خوشی کی بات ہے کہ یورپ امریکہ اور ملکوں کے لوگ اب اس بات کو کسی قدر سمجھنے لگے ہیں کہ سادہ زندگی فضول خرچی اور نمائش کی زندگی سے بہتر ہے۔ جن لوگوں کے پاس دولت ہے۔ مردہوں یا عورتیں وہ اب اپنا سرمایہ فضول خرچی میں لٹانے سے پرہیز کریں گے۔ اب ان کو سادہ اور مفید غذا میں بہ نسبت قیمتی اور مرغن غذا کے زیادہ لطف آنے لگا ہے۔ اور بجائے بیکار اور نمائشی فرش و فرنیچر کے جو محض لوگوں کے دکھانے کے لیے غیر ضروری مقدار میں جمع کیا جاتا ہے چند مستحکم اور کارآمد چیزوں سے اپنے مکان کو آراستہ کرنا اچھا سمجھنے لگیں ہیں۔

ہندوستان اور انگلستان کے بعض لوگ جنہوں نے عام قومی کاموں کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی ہے نہایت معمولی اور سادہ طور پر رہنے لگے ہیں جس سے ان کی صحت اچھی رہتی ہے اور وہ دنیا کے کاموں میں زیادہ حصہ لے سکتے ہیں۔ علاوہ بریں وہ ان لوگوں کی عبرت کا باعث ہیں جو اپنی دولت لباس فرنیچر اور ضرورت سے زیادہ نوکر جا کر رکھ کر بیوہ اور پڑے غور نمائش پر صرف کرتے۔ جو شخص ان ابواب میں فضول خرچی کرتا ہے وہ اس خزانے کو برباد کرتا ہے جو غریب اور عاجز مند بڑے وسیلوں کی ضرورتوں میں کام آتا ہے۔

سینٹ فرانسس جو ایک مقدس آدمی تھا اور جسکی عیسائی بہت عزت کرتے تھے۔ اس کا کام یہ تھا کہ وہ اٹالیہ اور فرانس میں نیکسا زندگی بسر کرنے کی ہدایت کیا کرتا تھا اور اس سے اس کا مقصود روپیہ کمانا نہیں تھا۔ وہ معمولی کھانے اور

کپڑے پر قانع تھا اور بھیک مانگ کر زندگی بسر کرتا تھا کیونکہ اُس کا دل اس خیال سے غنی تھا کہ میں لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرنا ہوں۔

ایک دن وہ اور اُسکا رفیق ماسیو ایک گانوں میں وار ہوئے اور فرانسس ایک گلی کی طرف اور ماسیو دوسری گلی کی طرف مانگنے نکل گئے۔ اب سُننے کی بات یہ ہے کہ فرانسس پستہ قداور کم رو تھا اور ماسیو دراز قد اور خوبصورت جسکی وجہ سے لوگ فرانسس کو تھوڑی بھیک دیتے تھے اور ماسیو کو بہت۔ جب مانگ چکے تو شہر کے دروازے کے باہر دونوں پھر ایک جگہ آن کر ملے جہاں صاف پانی کا ایک چشمہ تھا۔ دونوں آدمی چشمے کے کنارے پتھر کی چٹان پر بیٹھے اور جو روٹیاں مانگے لائے تھے ان کو جھولی سے نکال کے رکھا۔ اُس وقت فرانسس نے اپنے ساتھی سے کہا:

”بھائی ماسیو ہم اس نعمت کے مستحق نہیں ہیں!“

اسپر ماسیو نے جواب دیا:۔ ”بے شک اگر میں ان سوکھے لکڑوں میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس کو نعمت سے سناں دی جائے۔ نہ ہمارے پاس دسترخوان ہے نہ چھری ہے نہ رکابی ہے نہ پیالہ ہے نہ میز ہے نہ خدمتگار۔۔۔“

تب فرانسس نے بات کاٹ کے کہا:۔ ”مگر ہمارے پاس کھانے کو روٹی ہے روٹی کے رکھنے کو یہ قدرتی میز ہے (یعنی پتھر کی چٹان) اور چینی کو اس چشمے کا صاف اور خوشگوار پانی ہے،“

یہ حالت تھی بہادر فرانسس کے دل کی۔ مگر اس قصہ سے یہ مطلب نہیں ہے

کہ غریب آدمیوں کو ہمیشہ اپنی عزیزانہ حالت پر قناعت کرنی چاہئے۔ بلکہ اس سے ہم کو یہ سبق حاصل ہوا ہے کہ جو عالی حوصلہ لوگ کسی نیک کا بیڑا اٹھانے میں اُن کی ہمت تکلیف کی حالت میں کیسی بڑھی ہوئی رہتی ہے۔

حضرت محمد جیسے الوداعزم نبی اپنے طرز عمل سے عام انسانوں کو سادہ زندگی بسر کرنے کی تعلیم دے سکتے ہیں۔ میسٹون لڑکی کے سے معمولی اشخاص کو سادہ زندگی میں خوشی اور آرام حاصل ہو سکتا ہے۔ سینٹ فرانسس جیسے فقیر منش بزرگوں کو اپنے ہم جنس انسانوں کی خدمت کرنے میں تکلیف اٹھا کر بھی خوشی حاصل ہو سکتی ہے۔ ہم کو یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ جو لوگ اپنا رویہ فضول آرائش کی چیزوں پر صرف کرتے ہیں وہ درحقیقت اُس روٹی اور دولت کو برباد کرتے ہیں جو اُن کے عزیز بھائیوں کے کام آتی۔

سبق و سوال

سادہ زندگی (۲)

ہندوستان کے مشہور شاہنشاہ اکبر کے زمانے میں آگرہ میں جین مذہب کا ایک سنیا سی رہتا تھا جس کا بنا رسی داس نام تھا۔ ایک دن شاہنشاہ نے اُسے اپنے دربار میں طلب کیا اور کہا کہ تم کو جس چیز کی خواہش ہو وہ طلب کرو میں تمہیں دے گا۔ بنا رسی داس نے جواب دیا کہ جتنی ضرورت ہے خدا نے اُس سے زیادہ مجھے دے رکھا ہے۔

اکبر:- ”کچھ تو کہو“

بنارسى ۛ اگر جہاں پناہ كى ہى مرضى ہے تو میرى ایک آرزو ہے اور وہ یہ ہے
کہ مجھے پھر دہ بار میں نہ طلب كیا جائے۔ اس ليے کہ میں اپنا سارا وقت خدا كى
عبادت میں صرف كرنا چاہتا ہوں“

اکبر:- ”اچھا جو تم نے كہا وہ مجھے منظور ہے۔ مگہ اب تم سے میرا ایک سوال ہے“
بنارسى ۛ ”ارشاد“

اکبر:- ”مجھے كوئى اچھى نصيحت كرو۔ میں اس كو یاد ركھوں گا اور اُس پر عمل كرؤنگا“
بنارسى (كسى قدر تامل كے بعد) ”مضور اس كا خیال ركھیں کہ حضور كى غذا
صاف اور سادہ ہو اور جبما كوئى چیز كھانے یا پيئنے كى آئے تو اُسے غور سے ملاحظہ
كرنا لیا كریں خصوصاً رات كے وقت“

اکبر:- ”میں وعدہ كرتا ہوں کہ ہمیشہ تمھارى نصيحت پر عمل كرؤں گا“
واقعى یہ نصيحت مفيد تھى۔ اس ليے کہ سادہ غذا اور سادہ پانى جسم كو صحیح بکھتے ہیں
اور صحیح جسم مثل ایک مندر كے ہے جس میں پاك روح اور پاك خیالات رہتے ہیں۔

جس روز بنارسى واس كبر كى ملاقات كو آپا تھا اكبر نے اُس تاريخ كو ہر سال
كے ليے روزہ كا دن قرار دیا اور بڑى رات تک كچھ كھاتا پيتا نہ تھا۔ ایک دفعہ ایسا
اتفاق ہوا کہ اُسی تاريخ پر اكبر روزہ سے تھا دن بھر كے بعد سونے چاندی كى ركابىلى
میں كھانا دسترخوان پر چينا گیا۔ بادشاہ سلامت كو كھانا شروع كرنے سے پہلے بنارسى واس

کی نصیحت یاد آگئی۔ غور سے جو کھانے کو دیکھا تو رکابیوں پر لال چوٹیاں چڑھ گئی تھیں۔ دسترخوان اٹھا دیا گیا اور اکبر نے بنا رسی واس کو احسان مندی کیساتھ یاد کیا یہ بہت تو تمھاری سمجھ میں ضرور آگئی ہوگی کہ اس نصیحت سے بنا رسی واس کا فقط یہی منشا نہ تھا کہ آدمی کھانے کے ساتھ لال چوٹیاں نہ کھا جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ کھانے کی نسبت اس امر کا اطمینان کر لینا نہایت ضروری ہے کہ اُس میں کوئی خرابی یا کمی ناقص چیز کا میل تو نہیں ہے۔ ایسا کھانا کھانے سے جو خالص نہ ہو بہت سی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ آج کل جتنے مہنت ملک میں سب میں اس بات کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے کہ کھانے کی چیزیں خالص اور بے میل ہوں اکثر مشہوروں میں خاص طور پر ایک ایسا عمدہ دار مقرر ہوتا ہے جو محض اس بات کی نگرانی رکھتا ہے کہ بازاروں میں کھئی گوشت میوہ ترکاری وغیرہ ناقص اور مضر صحت نہ بکنے پائے۔

لیکن اس سے بھی کچھ نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے کہ بازار سے اچھی چیزیں آئیں مگر گھر میں آ کے اس طرح رکھی اور استعمال کی جائیں کہ تندرستی کو اُن سے نقصان پہونچے۔ بلکہ بعض اوقات تو سمیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہم سب کو چاہئے کہ اکبر بلو شاہ کی طرح کھانے سے پہلے اپنی رکابی کو غور سے دیکھ لیا کریں۔ خلاصہ یہ کہ ایسی غذا جس سے خالص خون پیدا ہونے میں ٹنک ہونے کو خود کھانی چاہئے نہ کسی

لے یہ روایت ایک مضمون سے لی گئی ہے جو مسٹر موساد دلال صینی نے مصنف کو لکھ کر بھیجی تھی ۱۱

کھلانی چاہئے اور نہ بچنی چاہئے۔

بنارسى داس نے اکبر کو یہ نصیحت بھی کی تھی کہ پینے کی چیز کو کبھی بغور دیکھ لیا کرے۔

حالانکہ ہونقہ اور پر بیان ہوا اُس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے پایا جائے کہ پینے کے برتن میں کوئی خراب چیز نکلی ہو۔ مگر پھر بھی ایک پینے کا برتن ایسا ہے جو دیکھنے

میں نہایت شفاف اور خوش رنگ نظر آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُس

مندر جو چیز ہے وہ نہایت مزیدار اور زلیہ مت کو بحال کرنے والی ہے۔ حالانکہ یہ ایسی

جڑی چیز ہے جو انسان کی تباہی اور موت کا باعث ہے۔ یہ پیالہ اُس شربت کا

ہے جس میں الکوحل شریک ہوتی ہے۔ یعنی شراب۔ چاہے وہ کسی قسم کی

کیوں نہ ہو۔

یہ سچ ہے کہ دنیا میں بہت سے آدمی ایسے بھی ہیں جو شراب پینا جائز

سمجھتے ہیں۔ ہم کو ضرور ہے کہ ان کے خیالات کا پاس کریں۔ اس لئے کہ جہاں

یہ لوگ شراب پینے کو جائز سمجھتے ہیں وہاں شراب نہ پینے کو ناجائز بھی نہیں سمجھتے۔

بیس نتیجہ یہ نکلا کہ:-

(۱) کچھ لوگ دنیا میں ایسے ہیں جو الکوحل یعنی شراب کے

استعمال کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

(۲) کچھ لوگ ایسے ہیں جو شراب پینے کو جائز سمجھتے ہیں۔

(۳) ایسا کوئی نہیں جو شراب نہ پینے کو ناجائز سمجھتا ہو۔

انگلستان میں کچھ لوگوں نے ایک انجن قائم کی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ شراب پینا چھوڑ دیا جائے۔ اس کے جلسوں میں نوجوانوں کے ساتھ اکثر کلم سن لڑکے شریک ہوتے ہیں لکچروں کو سنتے اور طرح طرح کے امید افزائیت کا کر جمع کا جی خوش کرتے اور ہمت بڑھاتے ہیں۔ ان گیتوں کا مضمون بالعموم یہ ہوتا ہے کہ ہم نرک شراب خواری کے متعلق اپنے عہد و پیمان پر قائم رہیں گے۔ اب انگلستان اور امریکہ میں ہزار ہا آدمی ایسا پیدا ہو گیا جس نے یہ عہد کر لیا ہے کہ تمام عہد کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگائیں گے بعض مقامات پر دوکانداروں کو شراب بیچنے کی ممانعت ہو گئی ہے کتنے ہیں کہ ہندوستان میں جہاں کے لوگ شراب پینے میں بہت نیک نام تھے کچھ دنوں سے شراب خواری کی بڑی عادت ترقی کرتی جاتی ہے جس کی وجہ سے ہندوستان کے اکثر حصوں میں شراب خواری کی مخالفت انجمنیں روز بروز قائم ہوتی جاتی ہیں تاکہ لوگوں کو اس نالائق کام سے باز رکھیں۔ ان انجمنوں کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے میوہ دار درختوں کی یا مستحکم قلعوں کی جو لوگوں کو خطرے سے بچاتے ہیں۔ الکل اور شراب کا خطرہ ہندوستان کی قدیم کہانیوں کے راکسوں کے خطرے سے بھی زیادہ ہے۔ کہانیوں میں جن راکسوں کا ذکر ہے وہ فقط جسم کو صدمہ اور ضرر پہنچاتے تھے۔ مگر شراب کا دیو دماغی قوت اور انسانی چال چلن کو صدمہ اور نقصان پہنچاتا ہے۔ شراب سے جو نقصان پہنچتا ہے وہ چار

طرح کا ہے۔

(۱) اس سے جسم کو نقصان پہنچتا ہے

(۲) اس سے روح کو نقصان پہنچتا ہے

(۳) شراب پینے والوں کی اولاد ناقص ہوتی ہے

(۴) شراب سے قومی خدمت کو نقصان پہنچتا ہے

اس لیے کہ ہر انسان اپنے ہم جنس انسانوں کا خادم ہے۔ اگر ہم اپنی صحت

اور دماغ کو شراب سے خراب کر لیں گے تو ہم اپنی قوم کے برے خادم ثابت ہونگے۔

اور ہماری مثال اس سپاہی کی ہوگی جو ٹوٹے ہتھیارے کر جنگ کے لئے جائے۔ یا

اس ملاح کی جو ٹوٹی کشتی سے کر دریا کے سفر کو نکلے یا اس فاسد کی جو لنگڑے

گھوڑے پر سوار ہو کر خبر بہو پچانے جائے یا اس دایہ کی جو بیمار کے پاس بیٹ کر

سو جائے پھر کیا تم اسکو نہیں پسند کرتے کہ ہندو ستا اور بنی نوع انسان کے

شریف خادم بنو۔؟

روما کا مشہور شاعر در جل اپنا وقت کھیتوں اور مزرعوں میں گزارنے

کا بہت شائق تھا۔ بیابوں کو بل چلاتے۔ زمین میں تخم ریزی کرتے اور کھیتوں

کو جو انسان اور حیوان کی غذا پیدا کرتے ہیں پھلنے پھولنے دیکھنے میں اس کو

بڑا لطف آتا تھا۔

بیل کا جسم بہت بھاری بھکم ہوتا ہے۔ اس کے اعضا بہت قوی ہوتے ہیں

اس کا کام جو سال برس سال اُسے کرنا پڑتا ہے بڑی محنت کا ہوتا ہے پھر بھی بقول
 درجیل :- بیل کبھی شراب پی کر یا مرغن غذا کھا کر اپنے جسم کو نقصان نہیں پہنچاتا وہ
 معمولی گھانس پات پر زندگی بسر کرتا اور صفات چشموں کا خالص پانی پیتا ہے اور
 کوئی ٹکڑا اس کی ٹیٹھی نیند کو اچاٹ نہیں کرتی،

یہی قول دوسرے حیوانوں پر بھی ٹھیک اُترتا ہے جن کی قوت انسان سے
 کہیں زیادہ اور صحت کہیں اچھی ہوتی ہے۔

قوی بنو!

اگر تمہارے والدین یا اُستاد تم سے کمزور بننے کی فرمائش کریں تو تم کو کیسا برا
 معلوم ہوگا۔ دیکھو طاقت ور بننے کو تمہارا کیسا جی چاہتا ہے۔

یاد رکھو جو مرد یا عورت شراب نہیں پیتے وہ طاقت ور ہوتے ہیں اور اگر
 طاقت ور نہ ہوں جب بھی جس قدر طاقت ان میں ہے وہ ضایع نہیں ہونے پاتی۔
 بنا رہی داس کی نصحت کو یاد رکھو۔

کھاتے وقت اپنی رکابی کو بغور دیکھ لو اور پیتے وقت اپنے گلاس کو خوب

سبق کیا رکھو

انجام دینی

”کیا خوب نشانہ لگایا ہے!“

یہ آواز جمع میں سے اُس وقت بلند ہوئی جب ایک نوجوان ہندوستانی

تیرا انداز نے ایک مجموعی سی پیڑھا کو تاک کر ایسا تیرا کہ وہ نیچے آ رہی۔

ایک شخص نے یہاں تک کہ دن نکلا ہوا ہے۔ تیرا انداز جس چیز پر نشانہ لگا رہا ہے

اُس کو اچھی طرح دیکھ سکتا ہے۔ اس لئے وہ ایسا قدر انداز نہیں ہے۔ جیسے

دوسرت

دوسرا شخص "دوسرت کیا کرتا ہے؟"

پہلا "وہ شبید بیدھی ہے؟"

دوسرا "شبید بیدھی کس کو کہتے ہیں؟"

پہلا "شبید بیدھی وہ ہے جو آواز پر نشانہ لگائے"

دوسرا "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا"

پہلا "دوسرت اندھیرے میں نشانہ لگاتا ہے اور اُس کا نشانہ صحیح ہوتا ہے

وہ جنگل میں جاتا ہے اور پیر یا پر کی آواز سے اُس معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں

جگہ پر کوئی جانور یا پرند ہے وہیں پر تیرا رہتا اور اپنے شکار کو گرا لیتا ہے"

غزنکر راجکمار دوسرت اچھو دھیا کا شہزادہ تھا۔ تیرا انداز میں ایسا مشہور

جیسا اوپر مذکور ہوا، اور خود اُس کو بھی اپنے شبید بیدھی ہونے پر گھمنڈ تھا اور وہ

لوگوں کی تعریف سے خوش ہوتا تھا۔ دوسرت کا دستور تھا کہ شام کے وقت رتھ

میں سوار ہو کر تنہا جنگل کو جاتا اور شکار کی آہٹ لیتا رہتا کبھی اُس کے کانوں کی

کسی ارنا بھینسے یا ہاتھی کے پیروں کی آہٹ ملتی جو پانی پینے ندی پر آئے اور کبھی ہرن کے قلاچیں بھرنے یا شیر کے چلنے کی آواز سنائی دیتی۔

ایک رات دسرت جھاڑیوں میں بیٹھا آہٹ لے رہا تھا۔ ناگاہ اُس کے کان میں ایسی آواز آئی جیسے کوئی پانی میں چل رہا ہے۔ اس کو خیال ہوا کہ بیشک ہاتھی ہے۔ اندھیرے میں یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کون جانور ہے مگر نشانہ لگانے کے لئے آواز کافی تھی۔ دسرت شبید بیدھی تو تھا ہی اُس نے اسی آواز پر تاک لگا کر شیر لگایا تیر کا کمان سے نکلتا تھا کہ ایک آواز آئی:-

”دوڑو! دوڑو! مجھے سنبھالو میں زخمی ہو گیا۔ کسی نے مجھے تیر مارا، اس آواز کا سننا تھا کہ دسرت کے ہاتھ سے کمان چھوٹ پڑی اور اُس کا سرخون سے چکرانے لگا۔

”بڑا غضب ہوا۔ میں نے یہ کیا کیا؟ جنگلی جانور کے بدلے کسی آدمی کو مارا۔“ دسرت یہ سوچتا ہوا جھاڑیوں کو پھلانگتا بھاگا۔ ندی کے کنارے پہنچ کر اُس نے ایک نوجوان کو دیکھا جو پڑا اپنے خون میں لوٹ رہا تھا۔ اُس کے بال پریشان تھے اور ہاتھ میں گھڑا تھا۔

لوکا ”ساراج۔ کیا وہ آپ ہی ہیں جس نے یہ کاری تیر لگایا؟ میں نے آپ کا کیا بگاڑا تھا جو آپ نے اس طرح میری جان لی؟ میں ایک سنیا سی کا لوطا ہوں میرے ضعیف ماں باپ اندھے ہیں اور میں اکیلا ان کی خدمت کرنے والا

تھا۔ یہاں انھیں کے لئے پانی لینے کو آیا تھا۔ ابیل کی خبر گیری نہ کر سکوں گا۔ آپ جائیے اور اس واقعہ کی اُن کو خبر کر دیجئے۔ وہ دیکھئے آگے جو راستہ گیا ہے اُسی کے قریب اُن کی جھونپڑی ہے۔ مگر جانے سے پہلے میرے سینے سے یہ تیر نکال لیجئے جس وجہ سے مجھے بہت ایذا ہے“

دسرت نے اُس نوجوان کے سینے سے تیر کھینچا اور وہ لڑکا آخری سانس لے کر مر گیا۔ دسرت نے گھڑے کو پانی سے بھرا اور جس طرف اُس مرنے والے لڑکے نے پتا دیا تھا اُس طرف روانہ ہوا۔ جب جھونپڑی کے پاس پہنچا تو اُس اندھے فقیر نے پکار کے کہا:-

» بیٹا! اتنی دیر کیوں لگائی۔ کیا نہانے لگے تھے؟ ہم گھبرا رہے تھے کہ تم پر کوئی حادثہ تو نہیں گزرا! بیٹا جواب کیوں نہیں دیتے؟

دسرت رکابنتی ہوئی آواز سے) » سنیاسی مہاراج! میں تمھارا بیٹا نہیں ہوں۔ میں چھتری ہوں اور وہ جنگ جو ہوں جس کو اپنی تیر اندازی پر بڑا گھمنڈ تھا۔ آج رات کو میں شکار کی تاک میں بیٹھا تھا کہ میرے کانوں میں ایک آواز آئی جس سے میں یہ سمجھا کہ کوئی جنگلی ہاتھی ندی میں پانی پی رہا ہے میں نے اُس آواز پر تیر لگایا۔ افسوس صد افسوس کہ اُس تیر نے تمھارے بیٹے کی جان لی! مہاراج بھگوان کے لئے مجھے بتاؤ کہ میں اس پاپ کا بدلہ کس طرح کروں « یہ سنتے ہی دونوں بڑھا بڑھی بلبلہا کے رونے لگے اور راجکمار سے اُس

جگہ پہننے کو کہا جہاں اُن کے اکلوتے فرزند کی نعش پڑی ہوئی تھی۔ اندھے باپ
 ماں بیٹے کی مست پر آئے۔ نوحہ خوانی کی۔ اشلوک پڑھے مردے کو غسل دیا
 اُس کے بعد پڑھے سنیاسی نے کہا:-

دس دن اے دسرت تو نے ہم کو ہمارے بیٹے کا داغ دیا اور رنایا ہے۔
 بھی ایک دن اپنے پیارے بیٹے کے لئے رونا پڑے گا۔ ابھی نہیں۔ اس کو بہت
 زمانہ درکار ہے۔ مگر تجھ اپنے کئے کا بدلہ ضرور ملے گا۔
 یہ کہہ کر اُس نے اپنے بیٹے کی چٹا بنائی اس کو آگ دی اور دونوں بڑھا
 بڑھی خود بھی اُس میں گر کے ہلاک ہو گئے۔

دن جس طرح گذرتے ہیں گذر گئے۔ دسرت اپنے باپ کی جگہ اجدھیا کا
 راجہ ہوا۔ اور رانی کو سلیا کے ساتھ اُس کی شادی ہوئی جس کے بیٹے سے
 نامی گرامی فرزند رام پیدا ہوا۔ رام ایسا ہر دلعزیز نوجوان راجکار تھا کہ سارا شہر
 اُس سے محبت کرتا تھا۔ بجز رانی کی لگئی او س اُس کی کو بڑا خادمہ کے۔ یہ دونوں
 عورتیں اس بات پر آمادہ ہو گئیں کہ جس طرح بنے رام کو تباہ و برباد
 کریں۔ آخر انکی فتنہ پروازی سے رام کو چودہ برس کا بن باس جمیلنا پڑا۔
 اس طرح دسرت کو بھی اپنے پیارے بیٹے کے لئے رونا پڑا اور ان بڑھے
 والدین کی بدعا اُس کے آگے آئی۔ جن کے فرزند کو اُس نے رات کے وقت
 چشے کے کنارے جنگل میں تیر سے ہلاک کیا تھا۔

ایسا غور کرو کہ اگر دستِ دن کی روشنی میں شکار کیجاتا ہوتا اور اپنے شہر میں
 جو شہر پر حملہ نہ کھینڈ کر تالو اُس کو اس طرح اسے پھینک کر سدائی کا مدد
 کیا اور اٹھنا پڑتا ہے

مگر وہ اپنی تیر اندازی پر ایسا فرور تھا کہ آئے ہی ام ہونے کا اور ابھی نیال
 نہ تھا اور کبھی اس بات کو ذہن میں نہ لانا تھا کہ اس طرح اندھیرے میں بے
 و پیکہ بھالے شکار پھیلنے سے ممکن ہے کہ کسی انسان کو صدمہ ہو سکے۔ سوچ ہے
 کہ دستِ کی نیست یہ نہ تھی کہ کسی کو نقصان پہنچا سکے لیکن وہ انجامِ بین اور
 ورنہ نہیں نہ تھا۔

ذیل میں ہم دو گروں کا قصہ بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ گروں کی
 نیت اپنے دوست کو فائدہ پہنچانے کی تھی مگر حقیقت میں انھوں نے اُسے پھینکتے
 میں پھنسانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔

کہتے ہیں کہ دو بڑے گد بہت تکلیف کی حالت میں تھے اُن کا ایک بچہ جو اُن
 کے لئے تھوڑی بہت غذا مہیا کر دیتا تھا۔ شہر بنارس کا تھی) کے ایک سوداگر
 کو ان گروں کی حالت پر ترس آیا۔ اُس نے اُن کو لے جا کے ایک خشک جگہ میں
 رکھا۔ وہاں آگ روشن کرتا اور اُن کو روز و سحر ڈوں کا گوشت لاکر کھلاتا۔
 جب بارش کا موسم آیا تو یہ دونوں گد جو اسے خوب کھا پی کر مڑے

ناز سے اور طاقت ور ہو گئے تھے پہاڑ پر اڑ گئے۔

تھے تو جانور مگر سوداگر کا احسان نہ بھولے اور دل میں یہ ٹھکانا کہ ہم اپنے
مخس کو قاندہ پہنچائیں گے غرضکہ انھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جہاں
کہیں کسی کا کوئی کپڑا پھیلا ہوا دیکھا جائے اسے اٹھا لیا جائے اور سوداگر کے گھر
میں ڈال دیا۔ اسی طرح وہ گھر گھر اور گاؤں گاؤں پھرتے اور لوگوں کے کپڑے
لالا کر سوداگر کا گھر بھرتے رہے۔

سوداگر یہ جانتا تھا کہ گد میرے اس احسان کا بدلہ لاکرتے ہیں۔ لیکن تھا آدمی
سمجھدار اس لئے نہ تو اُس نے اُن کپڑوں کو فروخت کیا اور نہ خود اپنے استعمال
میں لایا۔ بلکہ اُن کو ایک جگہ جمع کرتا گیا۔
آخر کار لوگوں نے جال لگا کر ایک دن گد کے بچے کو پکڑا اور اُس کو راجہ کے
پاس لائے۔ راجہ نے اُس سے سوال کیا کہ تو میری رعایا کے کپڑے کیوں
چرتا ہے۔

گد کے بچے نے جواب دیا کہ ایک سوداگر نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر
احسان کیا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اُس کے احسان کا بدلہ لائیں۔

راجہ نے سوداگر کو طلب کیا اور اُس سے اس واقعے کی حقیقت دریافت کی
سوداگر نے جواب دیا کہ ہمارا جہنمک یہ گد مجھے کپڑے لالا کر دیتے ہیں مگر آج
تک جو کپڑے یہ لائے ہیں میں نے اُن سب کو اٹھا کے ایک طرف رکھ دیا

اور ان کے مالکوں کو حوالے کرنے کے لیے پہلا قدم ہے۔

یہ مثال احمقانہ نیکی کی ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ نادان دوست دشمن سے بدتر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ گد سو داگر کا احسان دل سے مانتے اور اُس کا بدلہ کرنا چاہتے تھے۔ مگر انہوں نے اپنی احسان مندی کا اظہار بے وقوفی کے ساتھ کیا۔

ہریان کے لوگ انجامِ بینی یا دور اندیشی کے خیال کو اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ بدھ کا تصویر بناتے ہیں جو کنول کا پھول لئے ہوئے مراقبہ (دھیان) میں مصروف ہے اور اُس کے سامنے تین لنگور کھڑے ہیں۔ ایک اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے ہے۔ دوسرا کانوں پر ہورنٹیمبرٹھنہ پر تم سمجھے کہ لنگوروں کا مطلب اس طرح آٹکا، کان اور سنہ پر ہاتھ رکھنے سے کیا ہے؟

پہلا کہتا ہے "میں کوئی بڑی اور بے وقوفی کی چیز نہیں دیکھتا،"
دوسرے کا مطلب یہ ہے کہ "میں کوئی بڑی اور بے وقوفی کی بات

نہیں سنتا،"

تیسرے کا منشا یہ ہے کہ میں کوئی بڑی اور بے وقوفی کی بات

نہیں کہتا۔"

اگر ہم تختہ سیاہ پر ایک دو ساندیش آدمی کی عادات کی فہرست لکھیں
تو وہ اس طرح ہوگی:-

دو ساندیش آدمی:-

- جو بات کہتا ہے سو بیچ بچھکر کہتا ہے۔
- جو بات سنتا ہے اُسے سوچا اور سمجھتا ہے۔
- جو کچھ دیکھتا ہے اُس پر غور کرتا ہے۔
- کھانے پینے اور پینے میں خیال رکھتا ہے۔
- ہنسنے چلنے بیٹھا تو دیکھ کر چلتا ہے۔
- کل کی یعنی آئندہ فکر رکھتا ہے۔
- کسی بات کے کہنے یا کسی کام کے کرنے سے۔
- پہلے اُس کے نتیجے کو سوچ لیتا ہے۔
- غرض کہ ہر امر میں نتیجہ اور انجام کا خیال رکھتا ہے۔

سبق بارہواں

راست گوئی

ایک شیر ایک لومڑی اور ایک بھیڑ یا تل کر ایک ساتھ شکار کو نکلے اور
تینوں نے تین جانور شکار کئے۔ ایک گدھا۔ ایک ہرن اور ایک خرگوش

پھرتینوں مل کر شکار کے پاس کھڑے ہوئے اُس وقت شیر نے کہا:-
 ”دوست بھڑیے! اب یہ بتاؤ کہ ہم تینوں شکاری اپنے شکار کی تقسیم کس
 طرح کریں؟“

بھڑیے نے جواب دیا کہ: ”تقسیم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تم نے
 گدھا مارا ہے اُس کو لے لو۔ لومڑی خرگوش لے لے اور میں ہرن کو“ یہ
 سننا تھا کہ شیر ڈکارا اور ایک گھونسا بھڑیے کے سر پر اس زور سے مارا کہ
 اُس کا کام تمام ہو گیا (بھڑیے کو اُس کی نصیحت کا یہ پھل ملا)۔ پھر شیر
 لومڑی کی طرف پلٹا اور اُس سے پوچھا:-

”دو میرے عزیز دوست اب تم بتاؤ کہ تمہاری کیا صلاح ہے؟“

لومڑی نے ادب سے جھک کر سلام کیا اور بولی: ”حضور یہ تو سیدھی سی
 بات ہے۔ گدھا آپ کے دن کے خاصہ کو ہوگا۔ اور ہرن رات کے خاصہ کو رہے
 گا۔ رہا خرگوش وہ سب پھر کے ناشتہ کو کام آئے گا“

شیر لومڑی کی یہ تقریر سن کر خوش ہو گیا اور بولا: ”بہت خوب! بہت خوب!“

”تم کو یہ عقلمندی اور انصاف کی باتیں کس نے سکھائیں“

لومڑی نے جواب دیا کہ:- ”مجھ کو اس مرے ہوئے بھڑیے نے عقل سکھائی“

اب دیکھو کہ لومڑی نے اپنی باتوں سے شیر کو خوش کر دیا۔ مگر کیا جو کچھ اُس

نے کہا وہ دل سے کہا؟۔ کیا اُس کی گفتگو سچ اور راست تھی؟ نہیں اس لیے

کہ جو کچھ اُس نے کہا وہ ڈر سے کہا۔ مگر شیر نے اُس کی تقریر کی نسبت کہا کہ وہ تیغ کھتی ہے۔ اس لئے کہ شیر تو گوشت کو دوست رکھتا ہے سچائی کو دوست نہیں رکھتا۔

ایک مسلمان مصنف ابو عباس نے حضرت سلیمان کا ایک قصہ لکھا ہے جو یروشلم (بیت المقدس) کے حکمراں تھے حضرت سلیمان کے دربار میں چھ سو کرسیاں بچھتی تھیں جن پر ایک طرف عقلا اور حکما بیٹھے تھے اور دوسری طرف جنات اور پریاں جو سلیمان کی خدمت کرتی تھیں۔ حضرت سلیمان کو یہ قدرت حاصل تھی کہ اُن کے ادنیٰ اشارے پر بندے جمع ہو جاتے اور ان کے درباریوں پر اپنے پر دل کا سایہ کر کے ٹھیرے رہتے۔ اور آپ کے حکم سے ہوا آتی اور آپ کو اور آپ کے درباریوں کو مع مکان ایک ماہ کے راستے پر اٹھا کے لے جاتی ہیں سے وہ دور دراز کے ملکوں میں حکومت اور انتظام رکھ سکتے تھے۔

جب حضرت سلیمان کے باپ حضرت داؤد کا انتقال ہوا تو سلیمان نے ایک عجیب و غریب تخت بنوایا جیسا کبھی کسی بادشاہ نے نہیں بنوایا تھا۔ اور جسکی نظیر نہ تاریخ میں ملتی ہے اور نہ قصہ کہانی کی کتابوں میں۔ اس تخت کے بنانے سے سلیمان کا مطلب یہ تھا کہ کوئی شخص اُن کے سامنے جھوٹ بات نہ کر سکے۔ کہتے ہیں کہ یہ تخت ہاتھی دانت کا تھا اور اُس پر طرح طرح کے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ تخت کے اطراف سونے کے بنے ہوئے

کبجور کے درخت جن کے پھل یا قوت و زبرد کے تھے لگائے تھے۔ ان میں سے دو درختوں پر دو سنہرے مور بیٹھے تھے اور دوسرے دو درختوں پر دو سنہرے باز تھے۔ تخت کے دو جانب دو سنہرے شہزادوں کے دو ستونوں میں بندھے تھے۔ کبجور کے درختوں کے تنوں کے گرد انگور کی سنہری سیلیں لگائی تھیں

جن میں یا قوت کے پھل لگے تھے۔ قبیلہ بنی اسرائیل کے سردار حضرت سلیمان کی داہنی جانب بیٹھتے تھے اور ان کی کرسیاں سونے کی تھیں۔ بائیں جانب جنات اور پریاں بیٹھتی تھیں جن کی کرسیاں چاندی کی تھیں۔ لوگ اپنی اپنی فریادیں دربار میں لے کر آتے اور حضرت سلیمان ان کی داورسی کیا کرتے تھے۔ اب داورسی کی کیفیت سنو کہ جب کوئی شخص اپنے کسی ہمسائے کے موافق یا مخالف گواہی دینے کے لئے آئے برقعنا تو ایسا عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ (جیسا کہ ابو عباس نے لکھا ہے) وہ لکھتا ہے کہ تخت مع سلیمان اور دوسری اشیا کے جو اس کے ساتھ ملحق تھیں گردش کرنے لگتا۔ وہ نو شہزادین پر بخوں اور دوسوں سے مارنا شروع کرتے، مور اور باز پر پھیرلا دیتے۔ اس نظارے کو دیکھ کر

گواہ کے دل پر خوف چھا جاتا اور وہ ایک لفظ بھی جھوٹ نہ کہہ سکتا ہے اب اس بات کو خیال کرو کہ جو شخص اپنے جی سے سچ بولنا چاہتا ہے کیا اُس کے لئے اُس کی ضرورت ہے کہ تخت سلیمان کے کرسیے دکھا کر اُس کو

ڈریا جائے۔ سچائی کا تخت نیک آدمی کا دل اور سچ اس کے دل کی پاکی کا
 وجہ سے اس کی زبان پر آتا ہے۔ سچا آدمی استاد مالک قاضی یا بادشاہ کے خون
 سے بچ نہیں بولتا بلکہ اس لئے سچ بولتا ہے کہ سچ بولنا بہادری کی نشانی ہے
 اور راست گوئی بہادری کی فطرت میں داخل ہے۔

ہم اعداد میں سچائی کو پسند کرتے ہیں۔ دو اور دو چار ہوئے۔ اگر کوئی شخص
 کہے کہ نہیں دو اور دو پانچ تو ہم کبھی اس کی بات کا یقین نہ کریں گے اور جب ہم
 ایک مرتبہ کوئی پہاڑ اسیکھ لیں مثلاً

$$۱۲ = ۱ \times ۱۲$$

$$۲۴ = ۲ \times ۱۲$$

$$۳۶ = ۳ \times ۱۲$$

$$۴۸ = ۴ \times ۱۲$$

$$۶۰ = ۵ \times ۱۲$$

$$۷۲ = ۶ \times ۱۲$$

وغیرہ وغیرہ

تو اس پہاڑ سے کی سچائی ہمارے دل میں جم جاتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص کہے
 کہ (۶۵ = ۶ × ۱۲) یا (۲۰ = ۲ × ۱۲) تو ہم کو سخت الجھن ہوتی ہے۔

اسی طرح ہم سچائی کو علم نجوم (وہ علم جو چاند سوسن اور ستاروں سے متعلق ہے)

میں پسند کرتے ہیں۔ بہت دنوں پہلے عقلمندوں نے اس بات کو دریافت کیا
سال ۳۶۵ء دن کا ہوتا ہے۔ اب اگر کسی وقت یہ معلوم ہو کہ زمین تین سو یا چار
سوں میں آفتاب کے گرد چکر لگاتی ہے تو ہم کو بڑی حیرت ہوگی اور یہ کہنا پڑے گا
کہ زمین نے اپنا راستہ چھوڑ دیا یا غلط کر دیا۔ اور اُس وقت بھوکا اپنے مہینوں
ہفتوں اور تہہ ہار کے دنوں کا حساب رکھنے میں بڑی مشکل ہوگی۔

جس طرح ہم اعداد میں سچائی کو پسند کرتے ہیں اسی طرح زمین چاند اور
ستاروں کی رفتار میں سچائی کو پسند کرتے ہیں اور اسی طرح ہم کو انسانوں میں بھی سچائی
کو پسند کرنا چاہئے۔ جو شخص ہمیشہ ایسی باتیں کرتا رہتا ہے۔ جو سچ نہیں ہیں وہ اپنے
بھائیوں یعنی انسانوں کا سخت دشمن ہے۔ لوگ یہ نہیں سمجھ سکتے کہ کب اُس کی بات
کو یاد کریں اور کب نہ کریں۔ اُس کے نزدیک نیلا نیلا نہیں ہے۔ روپیہ روپیہ
نہیں ہے۔ گائے گائے نہیں ہے۔ اور بارہ ترکے چھتیس نہیں ہوتے
اگر وہ وعدہ کرے کہ میں فلاں کام کروں گا تو اُس کا منشا کچھ اور ہی ہوگا۔
اُس کے سُننے والوں کو بھی جو کچھ وہ کہے گا اُس کا یقین نہ آئیگا۔ کوئی گاؤں ہو
یا شہر اگر وہاں کے باشندے سچ بولنے کے عادی نہیں ہیں تو وہاں کا کوئی کام
درست نہیں ہو سکتا۔

ہم نے کتاب راماین میں رشی داد مہی کا متفقہ پڑھا ہے کہ اُس نے کیسیا
وعدہ کیا اور کس طرح اپنے وعدے پر قائم رہا۔ کہتے ہیں کہ دیوتا اندرا اور ورترا نے

میں لڑائی ہوئی۔ بڑے بڑے زبردست دیوتا اندرا کے شریک تھے مگر ورترا کی طاقت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اندرا باوجود ہر طرح کی قدرت رکھنے کے بھی اُس پر غالب نہ آسکتا تھا۔ اس وقت دشمنوں نے کہا:-

”دیوتاؤں میں نے ایک تجویز سوچی ہے“

سب دیوتا بیتاب ہو کر پوچھنے لگے کہ وہ کیا تدبیر ہے، تب دشمنوں نے کہا کہ:-

نیمشیا کے جنگل میں دادھی نامی ایک عابد و زاہد رشی رہتا ہے اگر وہ اپنی ہڈیاں ہم کو دے اور ان کے تیر بنائیں جائیں تو البتہ ہم ان تیروں سے اپنے دشمنوں کو ہلاک کر سکیں گے“

دیوتاؤں نے دشمنوں سے کہا کہ جاؤ اور اُس رشی سے مدد کی درخواست کرو۔ پس دشمنو جنگل کو گیا اور رشی سے کہا، کہ کیا آپ اس ظالم راکس کے مقابلے میں دیوتاؤں کی مدد کر سکتے ہیں“

رشی:- میں خوشی سے تمہاری مدد کروں گا“
دشمنو:- ”کیا آپ ایسی چیز کا دینا منظور کریں گے جو آپ کو بہت زیادہ

عزیز ہے“

رشی:- ”بے شک“

دشمنو:- ”کیا جو کچھ دیوتا آپ سے کہیں گے آپ اس کے کرنے پر راضی ہو جائیں گے“

رشی:- ”ہاں میں راضی ہوں“

و شنو! اگر ایسا ہے تو تم اپنی ہڈیاں مجھے دیدو،
 داد چھی اپنے وعدہ پر قائم رہا اور اس نے اپنی گردن خوشی تلوار کے نیچے
 رکھ دی و شنو نے اُسے ذبح کر کے اس کی ہڈیاں نکالیں اور اُن کے تیر بنائے
 اور ان تیروں سے اندرا و شنو اور ان کے شریک حال دیوتاؤں نے اپنے
 دشمنوں پر فتح حاصل کی لے

دیکھو اگر رشی داد چھی سچ نہ بولتا اور اپنے وعدے کو پورا نہ کرتا تو راکس
 ورترا پر دیوتاؤں کو کس طرح فتح حاصل ہوتی۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ وعدہ
 کر کے اس پر قائم رہنا ہمیشہ اچھا ہی ہوتا ہے جیسا تم نے ادھر داد چھی کی
 وعدہ و فانی کا بیان پڑھا ہے۔ میں تم کو ایک قصہ سناتا ہوں جس سے تم کو
 معلوم ہوگا کہ ایک وعدہ کیسا بُرا کیا گیا تھا جو پورا کیا گیا۔

دوسرے دن بھر آج کا کام کر کے شام کو خوشی خوشی محل میں آیا کہ اپنی
 رانی کے ساتھ عیش و آرام میں رات بسر کرے۔ مگر محل میں داخل ہونے کے اُس نے
 رانی کو نہ پایا۔ خادماؤں سے دریافت کیا کہ رانی کہاں ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ
 اٹواٹ کھوٹا لیتے پڑی ہیں۔ دوسرے دن جب یہ سنا کہ کیکنی رانی اٹواٹ کھوٹا
 لیتے پڑی ہے تو اُس کے دل کو رنج ہوا۔ وہ سمجھا کہ معلوم نہیں رانی کو کیا تکلیف
 پہنچی ہے۔ جب راجہ اُس کے پاس آیا تو دیکھا کہ کیکنی زمین پر پڑی ہوئی ہے،

لے ماخوذ از کتاب راماین مترجمہ کروڑ ۱۲

زپور اور عمدہ کپڑے اتار کے بھینک دیتے ہیں۔ سیلے کچیلے کپڑے پہن لیتے ہیں اور لہجوں کی شکل بنائے ہے۔

”راجہ، میری پیاری میرے جان و دل کی مالک۔ تم کو کس بات کا رنج ہے؟“ راجہ نے کیکئی کے گلے میں باہیں ڈالکر پوچھا۔ کیکئی نے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

راجہ نے پھر خوشامد سے کہا۔ ”کہو کہو! تم کو کس بات کی تکلیف ہے۔ میں اپنے بہادر بیٹے رام کی قسم کھا کے وعدہ کرتا ہوں کہ جو تم مانگو وہی دوں گا۔“
 رام کا نام سنتے ہی کیکئی اٹھ بیٹھی اور جواہرات اور کپڑے پہن لیتے۔

راجہ نے اپنی تقریر کا سلسلہ پھر یوں شروع کیا: ”آج اجودھیا کے سارے لوگ خوشیاں منا رہے ہیں کیونکہ کل صبح کو میرا بہادر فرزند رام میری جگہ راج گدڑی پر بیٹھ گا۔ تم بھی رانی کو سلیا کے بیٹے کی گدڑی نشین کے جشن میں شریک ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ رام کے گدڑی پر بیٹھنے سے تمہاری قدر خوشی ہوگی۔ جتنی بھرت کے بیٹھنے سے ہوتی ہو خاص تمہاری اولاد ہے۔“

مگر کیکئی تو پہلے ہی رام کی بربادی کا منصوبہ گانٹھ کر بیٹھی تھی اور بھرت کو گدڑی نشین کرانا چاہتی تھی۔ آخر اس نے کہا:۔

”آپ نے بہادر رام کی قسم کھائی ہے کہ جو میں مانگوں گی وہی دیں گے۔“

راجہ ”ہاں“

کیکئی ”اچھا تو میں آپ سے دو سوال کرتی ہوں۔ پہلا یہ کہ میرے بیٹے بھرت کو گڈی پر بٹھائیے۔ دوسرا یہ کہ رام کو چودہ برس کے لئے ملک سے خارج کر دیجئے“

یہ سنتا تھا کہ راجہ کے بدن میں رخشہ پڑ گیا اور وہ اس طرح کانپنے لگا جیسے باز کو دیکھ کر چڑیا کانپتی ہے۔ اس کے دل پر ایک بجلی سی گری۔ اور اُس کا سر چکرانے لگا۔ اُس نے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ پھر ٹھنڈی سانسیں بھر کے بولا:-

”میرا ہر بھرا درخت سوکھ گیا۔ رانی کیکئی نے اجودھیا کے شہر کو ویران

اور برباد کر دیا“

پھر ٹھوڑی دیر کے بعد ”ہائے رام۔ رام۔ رام“ کہہ کے ایک چیخ ماری

آخر رام کو چودہ سال کے لئے اجودھیا سے واپس نکالا دیا گیا کیونکہ راجہ

راچوت راجہ۔ اپنی بات سے پھر نہیں سکتا تھا۔

اب تمہیں بتاؤ کہ ہم اس افسوسناک قحط کی نسبت کیا کہیں گے؟

۱۔ دسرت کو ہرگز بغیر سمجھ بوجھ ایسا وعدہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔

۲۔ رانی کو بھی لازم نہیں تھا کہ ایسے بڑے مقصد کے حاصل کرنے کے لئے

راجہ کے قول کی گرفت کرتی۔

۳۔ دست کو چاہئے تھا کہ ہرگز ایسے وعدے کی پروا نہ کرتا اور رائی کو صاف جواب دے دیتا کہ وعدہ احمقانہ تھا۔ میں اگر اس کو پورا کروں گا تو رام کے حق میں نا انصافی اور ظلم ہوگا۔ میں ہرگز تمھاری ناجائز خواہش کی پیروی نہیں کر سکتا۔

اب ہم کو اس بات پر اتفاق کرنا ہوگا کہ بعض وعدے بے وقوفی کے اور مجبوری ہوتے ہیں جن کو ہرگز پورا نہ کرنا چاہئے۔ ہم کو اس پر بھی اتفاق کرنا پڑے گا کہ جو شخص ظور اور خوف سے کوئی بات کہتا ہے وہ جھوٹ کہتا ہے۔

پتائی اعداد کو باقاعدہ بنا دیتی ہے جس سے ہم اُس پر بھروسہ کر سکتے ہیں پتائی سوسج چاند اور سناروں میں باقاعدگی قائم رکھتی ہے۔ غرضکہ: خواہ کسی لڑکے کی تقریر ہو جو وہ اپنے والدین اُستاد یا دوستوں سے کرتا ہے خواہ جوان آدمی کی تقریر ہو جو وہ کسی بچے سے کرتا ہے۔

اے مسٹر دی مہرینیم ایر ساکن ٹمکور نے تھریک کی ہے کہ اکثر ہندو اس بات پر اتفاق نہ کریں گے کہ کسی حالت میں بھی وعدے سے پھرنا جایو ہو سکتا ہے خواہ وعدہ کسی وجہ سے کیا گیا ہو۔ جب کبھی اُستاد کو ایسی مشکل پیش آئے تو وہ آزادی کے ساتھ شاکردوں سے بحث کر سکتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی نہ کوئی بات ملے پاسگی اور کم از کم یہ خیالی ضرور پیدا ہوگا کہ کسی سے کیوں نہ ہو کوئی اقرار کرنے میں بڑھی احتیاط سے کام لیا جائے۔ ۱۲

خواہ دوپڑا وسیوں کی گفتگو ہو جو وہ باہم کرتے ہیں۔
 خواہ بڑے بڑے تاجروں کی۔ چھوٹے چھوٹے دوکان داروں کی اور عام
 خریداروں کی تقریب ہو جو وہ باہمی لین دین کے وقت کرتے ہیں۔
 خواہ سوز شہریوں کی تحریر و تقریر ہو۔ گھرواؤں آپس کی باتیں ہوں یا
 اخباروں اور کتابوں کی خبریں یا درمیان ہوں یا سرکاری اور عام مجموعوں کے
 مباحثے ہوں:-

اگر راست گوئی پر مبنی ہیں تو قابل اعتبار اور قابل عزت ہیں!

سبق تیرھواں

خلوص

امروہہ میں ہٹی کے برتن نہایت خوبصورت اور خوش نما بنتے ہیں۔
 ان پر بیدری کام کی نقل بڑی عمرگی سے اتاری جاتی ہے۔ لوگ دیکھتے اور
 اپنے جی میں کہتے ہیں کہ کیسے اچھے برتن ہیں۔ یہ چیز رکھنے کے لیے بہت اچھے
 ہیں اور وہ چیز رکھنے کے لئے بہت اچھے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔
 مگر جب تم ان کاغذی برتنوں میں سے کسی ایک کو اٹھا کے دیکھو گے تو تم کو
 معلوم ہوگا کہ وہ بالکل ہلکے اور سبک ہوتے ہیں۔ ایسے کہ ذرا بے احتیاطی سے

ہاتھ لگا اور ٹوٹ گئے۔ پھر بھلا ایسے برتن استعمال میں رکھ کر کیا کام دیئے۔ غرض کہ یہ برتن محض نمائشی اور دکھنوں کے ہوتے ہیں۔ جو دیکھنے میں بڑے کام کے مگر حقیقت میں صرف پھوٹ جانے کے ہیں لہ

یہ کاغذی برتن اصل میں اچھے برتن نہیں ہیں! اسی طرح بعض آدمی بھی اچھے اور سچے آدمی نہیں ہیں! ایسے آدمی جو بات کہتے ہیں وہ ان کے دل کی بات نہیں ہوتی۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ ”ہم تمہارے ساتھ ہو کر لڑیں گے“ ”ہم تمہاری مدد کریں گے“ مگر سچ سچ ان کی یہ نیت نہیں ہوتی۔ یہ لوگ اہر وہہ کے کاغذی برتن ہیں جو بہت جلد ٹوٹ جاتے ہیں۔

جنوبی ہند سے قدیم قصوں کی کتابوں میں ہے کہ ایک شہزادہ تھا جس کی صفت یہ تھی کہ جب کبھی ہنستا تو کوسوں تک جھیلی کی خوشبو پھیل جاتی۔ اسی وجہ سے اُسکو ”چلیاراجہ“ کہتے تھے۔ مگر شرط یہ تھی کہ اُس کی ہنسی بناوٹی نہ ہو بلکہ دل سے ہو۔ اگر کبھی یہ دیکھنے کے لیے کہ وہ کس طرح ہنستا ہے لوگ اُس سے ہنسنے کی فرمائش کرتے تو کبھی اُس کے منہ سے ”ہا ہا ہا“ کی آواز نہ نکلتی۔ لیکن جب کبھی سچ سچ اُس کا جی خوش ہوتا اور اُسے ہنسی آتی تو ”ہا ہا ہا۔ ہا ہا ہا“ کی آواز اُس طرح اُس کے منہ سے نکلتی جیسے پانی کی چادر گرتی ہے ۲۷

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ راجہ درپود معن نے بہت بڑا ہتمام کیا مکان خوب

۱۷ از کتاب مناہج ہند معنفہ - بی۔ این مکر جی ۱۲۷۷ ماخوذ از کتاب فوک اور آف سورنہ انڈیا معنفہ اس ایچ
۱۸ ماہا متری ۱۲

آراستہ ہوا۔ جیو پارک سے کے لیے سونے چاندی کے مرصع برتن تھے جن میں ہیرے
 زرد اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ یہ سامان سری کرشن جی مہابانج کی دعوت کے
 لیے کیا گیا تھا۔ مگر سری کرشن جی دعوت میں تشریف نہیں لے گئے۔

اب سنو کہ اسی روز کرشن جی کی دعوت ایک دوسری جگہ تھی۔ میزبان ایک
 غریب شودر تھا۔ کہا نارو کٹا پھیکا اور برتن بالکل معمولی تھے مگر سری کرشن نے
 اس شودر کی دعوت قبول کی اور اس کے گھر گئے۔

اب تم ضرور پوچھو گے کہ راجہ درپودھن کے مقابلے میں ایک شودر کی
 دعوت قبول کرنے میں کیا مصلحت تھی؟

اس کی وجہ سنو! وجہ یہ ہے کہ شودر نے پچھے دل سے دعوت کی تھی۔

یعنی اس کی نیت میں خلوص تھا۔ برخلاف اس کے درپودھن کا مقصد یہ تھا
 کہ اپنی شان و شوکت کا اظہار کرے۔

بالکل اسی طرح ایک دفعہ رام کی دعوت ایک غریب بوڑھیا نے کی جس کا
 خاوند چڑیا ماری کا پیشہ کرتا تھا۔ اس بوڑھیا نے رام جیسے باعظمت راج پتر
 کے سامنے جو دسترخوان بچھا یا اس پر سونے سے پھل چنے گئے تھے اور
 وہ کبھی چڑیوں کے کترے ہوئے تھے۔ مگر رام نے انھیں برسی خوشی سے تناول

فرمایا اور ان کو اپنے غریب مگر بااطلاص میزبان کی صحبت میں بڑا اعلیٰ لے

لے ماخوذ کتاب آرین انکلوپوس مصنفہ آریس پانہ یا جی ۱۲

چڑیا کی دعوتِ خلوص پر مبنی تھی۔ اس کے پاس جو سب سے بہتر غذا تھی اس نے اپنے معزز مہمان کے سامنے رکھ دی۔ رام نے بھی اپنے میزبان کی خاطر سے اس کے پیش کیے ہوئے پھلوں کو خوشی سے نوش جان کیا۔

جلال ایک مشہور واعظ اور بہت بڑے بزرگ تھے۔ ایک بار دو ترک ان کا وعظ سننے کے لیے آئے اور تھوڑی سی عبور بطور تحفہ لائے۔ جلال کے بعض شاگردوں نے اس ناچیز تحفے کو حقارت سے دیکھا۔ بلآن ان کا مطلب سمجھ گئے اور بولے:-

”آنحضرت کو کچھ ضرورت پیش آئی اور آپ نے اپنے صحابہ کو اس کی سربراہی کے لیے حکم فرمایا۔ لوگوں کے اسکان میں جو کچھ تھا وہ لے لے کر خدمتِ بابرکت

میں حاضر ہوئے۔ بعض اپنے مال و اسباب کا نصف حصہ لائے۔ بعض تھائی ہاؤسوں نے اپنا سارا مال و اسباب لا کر حاضر کیا۔ اس طرح ہتھیار گھوڑے اونٹ رسد جو کچھ درکار تھا فراہم ہو گیا۔ سب کے ساتھ ایک بوڑھیا بھی تین دانے کبھور کے اور ایک روٹی لے کر حاضر ہوئی کیونکہ اس عزیز کے پاس اسکے سوا اور کچھ نہ تھا۔

بعض صحابی یہ محقر ہدیہ دیکھ کر مسکرائے۔ اس وقت آنحضرت نے سب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مجھ کو وحی خداوندی پہنچی ہے کہ فرشتے تم سب کے ہریوں کو ترازو میں تول

رہے ہیں اس طرح کہ ایک پلے میں بوڑھیا کے تین خرے اور روٹی ہے اور دوسرے پلے میں تم سب کے ہدایا۔ مگر پھر بھی بوڑھیا کا پلہ بھاری ہے۔ تھوڑی شے

جو خلوص نیت سے دی جائے بیش قیمت سے بیش قیمت ہدیے سے بہتر ہے۔“

یہ حدیث سن کر وہ دونوں ترک ہو جلال سے ملنے آئے تھے بے انتہا خوش ہوئے اور
 تم نے ہندوستان کے قصبے میں دیکھا کہ چڑیا کی عورت جس نے رام کی دعوت
 کی تھی اس کی نیت میں خلوص تھا جس کے باعث سے اُس کی دعوت کسی پر لطف
 تھی۔ اسی طرح مسلمانوں کی روایت میں تم نے دیکھا کہ آنحضرت محمد کی خدمت میں جس
 یوڑ بھیانکے تین کبھور اور ایک روٹی پیش کی تھی اُس کی نیت میں کیسا خلوص
 تھا۔

اسی طرح انگریزی کے خاتمہ لشکر شیکسپ نے اپنے ایک نامکام میں ایک
 انگریز بادشاہ کا قصہ لکھا ہے جس کا نام شاہ لیر تھا۔ اس قصے کے مطابق کنگ
 لیر کسی نامعلوم زمانے میں انگلستان کا بادشاہ تھا جسکی تین بیٹیاں تھیں۔ ہم سہولت
 کے خیال سے بڑی کو بڑی بیٹی منجھلی کو منجھلی بیٹی اور چھٹی کو رڈیلیا کہیں گے
 جو اُس کا نام تھا۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ بادشاہ اپنی تینوں بیٹیوں اور دونوں بڑے
 دامادوں کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ اثنائے تقریر میں شاہ لیر نے کہا کہ۔
 ”اب میرا بڑھاپا آگیا ہے اور مجھ سے سلطنت کے کاروبار کا بوجھ نہیں اٹھاتا
 مجھے اب صرف سو مصاحبوں کی ضرورت ہے جو میری ہمراہی میں رہیں گے۔

باقی تمام فوج اور سارا ملک میں اپنے لڑکوں پر تقسیم کر دینا چاہتا ہوں اس کے بعد

میں باری باری سے تم سب کے ہاں آکر رہا کروں گا اور اس طرح اپنی عمر کے باقی
ایام آرام و راحت کے ساتھ گزاروں گا۔

بادشاہ کی لڑکیاں اور داماد اُس کی یہ تقریر سن کے بہت ہی خوش ہوئے۔

بادشاہ نے اپنی تقریر کا سلسلہ پھر اس طرح شروع کیا:-

”اور چونکہ اب میں تمہارے ساتھ انتابڑا سلوک کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں اب

یہ مجھے یہ معلوم کر لینا بھی ضروری ہے کہ میرے ساتھ تمہارے دلوں کی کیا کیفیت ہے

اب تم یہ بتاؤ کہ مجھ سے کون کس قدر محبت کرتا ہے۔“

بڑی بیٹی نے کہا: ”ابا جان! مجھے آپ سے اتنی محبت ہے کہ میں اُس کو لفظوں

میں نہیں بیان کر سکتی۔ میں آپ کو اپنی آنکھوں سے زیادہ اور اپنی آزادی سے زیادہ

عزیز رکھتی ہوں۔ میں آپ کو ہر چیز سے زیادہ چاہتی ہوں:-“

شاہ لہر: ”شباباش! شاباش! امیری بیٹی کیسی پیاری بیٹی ہے! میں تم کو اور

تمہارے شوہر کو اپنی تہائی سلطنت کا مالک کرتا ہوں۔“

دوسری بیٹی کہنے لگی: ”ابا جان! میں بھی آپ کو ایسا ہی چاہتی ہوں جیسے بڑی

بہن۔ مگر وہ اپنے دل کی بات پوری طرح نہیں کہہ سکیں۔ مجھے آپ کی خدمت

کرنے میں اس قدر خوشی حاصل ہوتی ہے کہ ہر چیز کو جس سے خوشی حاصل ہو

سکتی ہے نفرت کی بگاہ سے دیکھتی ہوں۔“

ان دونوں کے بعد کورڈینیا کی باری آئی اور یوں کہنے لگی:-

”حضور انور! میں آپ سے اتنی ہی محبت کرتی ہوں جتنی محبت مجھے آپ سے کرنی چاہئے۔ اگر میری دونوں بڑی بہنیں سوا آپ کے اور کسی سے محبت نہیں کرتیں تو ان کو اپنی شادی کرنا لازم نہیں تھا۔ جبکہ میری شادی ہو چکی ہے تو مجھے اپنے خاوند سے محبت کرنا بھی لازمی ہے۔ میں اپنی آدمی محبت اپنے شوہر کو دوں گی اور آدمی آپ کو۔“

اس جواب کو سن کر بادشاہ بہت ناراض ہوا۔ اس نے ذرا بھی اس پر غور نہ کیا کہ بڑی لڑکیوں نے جو کچھ کہا ہے اس میں خلوص ہے یا نہیں۔ یہ دونوں کاغذی برتن تھیں جو دیکھنے میں محبت کی بڑی پکی تھیں مگر حقیقت میں انکی محبت بالکل کمزور تھی۔

بادشاہ نے غصے کی حالت میں جھٹ یہ فیصلہ کر دیا کہ ”کوڑھیلیا، کو سلطنت میں ذرا بھی حصہ نہ ملے گا۔ اور نہایت بے رحمی کے ساتھ اس نے اس لڑکی کو ہوا اپنے سامنے سے دٹکار دیا۔

یہ ممکن تھا کہ کوڑھیلیا نے جن لفظوں میں اپنا دلی خیال ظاہر کیا ان کو یہ نسبت کسی قدر نرم الفاظ استعمال کرتی۔ مگر اس کو بناوٹ سے نفرت تھی اور وہ اپنی بہنوں کی طرح یہ پسند نہیں کرتی تھی کہ دل میں کچھ ہو اور زبان سے کچھ کہے۔ یہی وجہ تھی کہ اُسکی بائیں بادشاہ کو کرٹھی لگیں۔

وقت جس طرح نذر جاتا ہے گزر گیا۔ کاغذی برتن ٹوٹ گئے۔ یعنی جب

بادشاہ لیر سلطنت تقسیم کرنے کے بعد پہلے اپنی بڑی بیٹی کے گھر گیا تو اُس نے باپ کو اپنے مکان میں نہ آنے دیا۔ دوسری کے ہاں گیا اُس نے بھی یہی سلوک کیا اب جو اس کے کام آئی وہ غریب کو رڈیلیا تھی!

اسی ناٹک کے ایک سین میں یہ منظر دکھایا گیا ہے۔ کہ بادشاہ لیر جو اب بڑے و مدوکار ہے ضعف اور بیماری کی حالت میں پلنگ پر پڑا ہوا ہے اور اس کا دلغہ تقریباً بہک گیا ہے۔ مگر اتنے حواس باقی ہیں کہ وہ اپنی چھوٹی بیٹی کو پہچانتا اور اس قدر سمجھتا ہے کہ آخر میں وہی وفادار ثابت ہوئی اُس نے دلفریب اور بڑے بڑے لفظوں میں محبت کا اظہار نہیں کیا تھا مگر جو کچھ تھا اس میں صداقت اور خلوص ضرور تھا۔ اور اب جبکہ وہ بیمار اور اُس کا محتاج ہے کہ کوئی اُس کی خدمت کرے اس وقت وہی کورڈیلیا اس کی خدمت کر رہی ہے اور جن لڑکیوں نے اُس وقت چکنی چیرٹی باتیں کی تھیں اب اُن میں سے ایک بھی پاس نہیں ہے۔

قیصے کا آخری حصہ نہایت دردناک ہے۔ کورڈیلیا مر جاتی ہے۔ اور اب اس بڑے غریب بادشاہ کی خبر گیری کرنے والا کوئی باقی نہیں رہتا۔ بادشاہ کی عمر

انتہی برس سے اوپر ہے۔ اس کا دماغ بالکل پھر گیا ہے۔ وہ اپنی پیاری بیٹی کی لاش لئے ہوئے اسٹیج (ناٹک کی تماشہ گاہ) پر آتا ہے اور اپنے رفیقوں کی طرف

متوجہ ہو کے نہایت درد انگیز لہجے میں یہ الفاظ کہتا ہے!

روؤ چیخو! پکارو! فریاد کرو! آہ تم لوگ پتھر کے بنے ہوئے ہو اگر میں تمہاری

زبان رکھتا تو اس قدر فریاد کرتا کہ آسمانوں کی چھتیں شق ہو کر گر پڑتیں۔
 مگر اس کی یہ تمام آہ وزاری بے سود تھی۔ اس کی مردہ بیٹی زندہ نہیں ہو سکتی تھی
 پھر وہ کورڈیلیا کی نعش اسٹیج پر رکھ دیتا، اور اس کے قریب کھٹنے ٹیک کر
 بیٹھتا اور ہونٹوں کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے:-

”دیکھو! ادھر دیکھو! ادھر دیکھو! ادھر دیکھو! اور یہی کہتا ہوا جان دے دیتا ہے۔
 اس قہقہے میں جو میں اب تم سے بیان کروں گا تم دیکھو گے کہ راست باز و شہنشاہ
 نے محض اپنی سچائی کی وجہ سے کیسی کیسی مصیبتیں جمیلیں گو کہ خوش قسمتی سے
 اس کی جان تو نہیں گئی:-

کہتے ہیں کہ وشوا متر ایک زبردست اور دولت مند راجہ تھا۔ اسے یہ خواہش
 پیدا ہوئی کہ اپنی دنیاوی عزت و عظمت میں تپشیا کے ذریعے سے مذہبی عزت
 و عظمت کا اضافہ کرے۔ چنانچہ اس نے اپنی ذات کو بدل دیا یعنی چھتری سے
 برہمن بن گیا۔ اور اس کے لیے یہ اتنا سے زیادہ عبادت اور تپشیا کرنے لگا
 یہاں تک کہ لوگوں نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ وشوا متر برہمن کا لقب کا مستحق ہے
 مگر ایک وشستھا ایسا تھا جس نے جس نے وشوا متر کو برہمن نہیں تسلیم کیا کیونکہ
 اس کے خیال میں وشوا متر کی ساری عبادت اور تپشیا ریا کاری اور ہوس پر مبنی تھی۔
 راجہ نے اس شخص میں وشستھا کی اولاد اور اعزہ میں سے سو آدمیوں کو قتل کرا
 دیا۔ مگر وشستھا کے ماتھے پر شکن نہ پڑی اور وہ جس بات کو بیخ سمجھتا تھا کہتا رہا۔

آخر ایک دن شام کو راجہ یہ ارادہ کر کے نکلا کہ آج اس برہمن کو میں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔ اسی خیال میں وہ شستھا کے دروازے تک پہنچا۔ اس وقت اس کے کان میں برہمن اور اس کی عورت کے باہم باتیں کرنے کی آواز آئی اور کھڑا ہو کر صغٹنے لگا:-

عورت: ”دیکھو چاندنی کیسی چٹھکی ہوئی ہے! کیونکہ وہ شستھا تمہارے خیال میں کس کی تپشیا ایسی صاف اور روشن ہے جیسے یہ چاندنی ہے“
برہمن: ”وشوا متر کی“

یہ باتیں راجہ کے دل کو لگیں۔ اس نے اپنے سارے ہتھیار کھول کے پھینک دیئے اور اندر بھاگے برہمن کو ادب سے سلام کیا۔

”برہمن! یہ الفاظ وہ شستھا نے بڑی مہربانی کے لہجے میں کہے اور نہایت تپاک سے راجہ کا خیر مقدم کیا کیونکہ اس کو راجہ کے دل میں شرافت کی روح دوڑتی ہوئی نظر آئی۔“

راجہ (عاجزی کے لہجے میں): ”تم نے پہلے میری تپشیا کا اقرار کیوں نہیں کیا؟ شستھا: ”اس لئے کہ تم راجپوت کی تلوار ہاتھ میں لے کر اس کے زور سے برہمن کا لقب حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مگر اس وقت تم ایک سچے برہمن کی روح اور دل لے کر آئے ہو“

تم نے دیکھا کہ وہ شستھا نے کس طرح بغیر کسی لالچ کے صداقت کو بنا رہا

اور راست گوئی سے باز نہ آیا سہ

- (۱) چلبیاراجہ کی ہنسی میں خلوص تھا۔
 (۲) چڑھی مار کی عورت کی دعوت میں صداقت تھی۔
 (۳) بڑے بیباک کے ہاتھ میں جس نے حضرت محمدؐ کی خدمت میں تین کھجوریں
 اور ایک روٹی پیش کی تھی صداقت تھی۔
 (۴) کورڈیلیا کو جو محبت اپنے باپ کے ساتھ تھی اس میں صداقت تھی۔
 (۵) برہنہ و شستہ کے قول و فعل میں صداقت تھی۔

سبق چودھواں

اصل اور نقل

تم یہ کہہ سکتے ہو کہ رات کو چوری کرنا اچھا ہے۔ اس لئے کہ اندھیرے میں کوئی
 تم کو دیکھ نہیں سکتا، تمہارے دل میں یہ خیال قائم ہو سکتا ہے کہ اندھیرا جانے سے
 اچھا ہے، مگر اس کی اصلی وجہ کچھ اور ہی ہوگی۔ سری رام جی نے پھر ایک بار اندھیرے
 سے فائدہ اٹھایا ہے۔

مگر دراصل ہکوی کہنا چاہئے کہ آفتاب چمکے روشنی ہوتا کہ لوگ ہمارے قدموں کے
 نشان دیکھیں اور ہمارے کاموں کو معلوم کریں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کبھی کوئی خیال

ہم کو اندھیرے میں چھپنے پر مجبور بھی کرے۔

بہادر رام کو جب بن باس کا حکم ملا اور وہ اچھوڑ دیا سے روانہ ہوئے تو شہر کے سارے چھوٹے بڑے اُن کے ساتھ ہوئے اسلئے کہ سب کو رام کے ساتھ محبت تھی آخر رات آئی تو رام ایک مقام پر ٹھہر گئے اور شہر والے بھی اُن کے ساتھ ٹھہر گئے دن بھر کے نکلے ماندے تو تھے ہی سب کی آنکھیں لگ گئیں اور بے خبر ہو گئے اس وقت رام نے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔

رام ”اب ہم کو نکل چلنا چاہئے مگر اس طرح کہ ان لوگوں کو یہ نہ معلوم ہو سکے کہ ہم کس رستے سے گئے۔ تم رتھ کو اس طرح چکر دیتے ہوئے لے چلو کہ لیک کا ٹھیک نشان نہ ملے“

غرض کہ اسی پر عمل کیا گیا۔ رام سینا۔ اور چھین رتھ میں بیٹھ لیے اور صبح ہوتے ہوتے دور نکل گئے۔ دن چڑھے جب شہر کے لوگ جاگے تو انھوں نے رام کو نہ پایا سب کے سب رتھ کی لیک کو دیکھتے ہوئے ڈسوتڑھتے تھے مگر چونکہ رتھ کے نشان ایک رستے پر نہ تھے اسلئے کوئی ادھر گیا کوئی ادھر گیا مگر کسی ٹھیک پتہ نہ ملا کہ رتھ کو مگر کئی آخر تک سب تھک کر شہر کو رام! رام! کہتے ہوئے واپس ہو گئے ایسے لوگ بھی ہوں گے جو بظاہر اندھیرے کو پسند کرتے ہوں مگر انکی نیست اچھی ہو بر خلاف اس کے ممکن کہ کوئی آدمی بڑا ہوشیار اور لائق معلوم ہونا ہو مگر

۱۲ ماخوذ از رامین مترجمہ ایف۔ ایس۔ گروزر ۱۲

درحقیقت » جھوٹا، ہو۔

ایک برہمن نے اپنے لڑکے کو بنارس میں ایک پنڈت کے پاس تعلیم پانے کے لیے بھیجا۔ جب وہ واپس آیا لوگ اُسکے دیکھنے کو یہ سمجھ کر جمع ہوئے کہ وہ بڑا اللیق اور قابل پنڈت بن کر آیا ہے۔ اور اس کے سامنے ایک سنسکرت کی کتاب رکھا کہنے لگے کہ ”پنڈت جی جہا راج ہم کو اس کا مطلب سمجھاؤ“

یہ لڑکا دیر تک کتاب پر نظر جمائے رہا مگر اس کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکا اس لیے کہ بنارس میں اوس نے کچھ بھی حاصل نہیں کیا تھا۔ البتہ بارہ کھڑی کے حروف تو سیکھے تھے جو استاد جلی قلم سے تختی پر لکھ دیتا تھا۔

تھوڑی دیر تک وہ چپ چاپ کتاب کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس کی نگاہ میں آنسو ڈبڑھا آئے۔ اس وقت لوگوں نے اُس سے کہا ”پنڈت جی مہاراج معلوم ہوتا ہے کہ کتاب میں کوئی ایسی بات ہے جو آپ کے دل کو لگی ہے۔ مہربانی کر کے ہم کو بھی سنائیے کہ وہ کیا ہے۔“

پنڈت جی نے جواب دیا کہ۔ ”بنارس میں بھی اکثر موٹے فٹے گلاب و بٹے ہو گئے ہیں۔“ بے شک کتاب ایک حرفوں میں لکھی گئی تھی جو پنڈت جی کو پہلے نظر آئے۔ یہ قصہ جو اوپر نقل ہوا کماؤں علاقے کے ہمالیہ میں بہت مشہور ہے۔ اسی ملک

کا ایک اور قصہ ہے اور یہ ہے:-

کماؤں کا راجہ کوہ الموڑا پر شکار کھیل رہا تھا جہاں اس زمانے تک گھنا جنگل تھا

ناگاہ جھاڑیوں میں ایک خرگوش چھلانگ مار کے نکلا۔ راجہ نے اس کا پیچھا کیا۔
یہ ایک خرگوش ٹوٹ پوٹ کے شیر کی صورت بن گیا اور نظروں سے غائب ہو گیا۔
راجہ نے پنڈتوں کو جمع کر کے ان سے یہ واقعہ بیان کیا۔

انہوں نے جواب دیا: "مہاراج اس واقعے کی تعبیر یہ ہے کہ جس مقام پر
آپ کی نظروں سے غائب ہو گیا وہاں آپ شہر آباد کریں۔"

راجہ نے پنڈتوں کی بات کو مان لیا اور راج مزدوروں کو شہر تعمیر کرنے کے لئے
جمع کیا۔ مگر شہر کی بنیاد ڈالنے سے پہلے راجہ نے نوہے کی سلانج یا شیل زمین کے
اندر ڈال کر اس کی آزمائش کی۔ جب شیل کا کچھ حصہ زمین کے اندر داخل ہو گیا اس
وقت پنڈت بولے کہ: "ٹھیرو! ٹھیرو! اسل اس سے زیادہ اندر ڈالنے کی ضرورت
نہیں ہے کیونکہ وہ دھرتی ناگ (گاؤ زمین) سٹانگ تک پہنچ گیا ہے۔"
راجہ نے کہا کہ اگر یہ سچ ہے تو اس کا ثبوت کیا ہے؟

فقہے میں ہے کہ سبل کی نوک سٹانگ کے خون میں بھر گئی تھی۔ پنڈتوں
کو یہ دیکھ کر راجہ پر بہت غصہ آیا اور انہوں نے کہا کہ: "آپ چند ہفتوں سے زیادہ یہاں راج کر چکے
مگر حقیقت یہ ہے کہ اس مقام پر شہر آباد کرنے کا باعث اس سر زمین کی
سرسبز اور شادابی تھی۔ چھ سو برس تک شہر الموطہ اسی مقام پر آباد رہا۔ اور
اب تک وہاں کی زمین شادابی اور پیداوار میں بے نظیر ہے۔"

اے ماخوذ کتاب خوک لور آف کماؤں مصنفہ۔ پی۔ جی۔ ٹی۔ اپریل ۱۲

بہر کیف یہ بہت کچھ زیادہ عقلمند نہ تھے۔ مثل ہے کہ ”زمانہ خود جھوٹ
 سچ کو ظاہر کر دیتا ہے“ اس قصے کی نسبت یہ بھی مثل صادق آئی ہے اور ظاہر ہے
 کہ پندرہوں نے جو وجہ اُس مقام پر شہر آباد کرنے کی بیان کی وہ صحیح نہ تھی بلکہ
 شہر بسانے کی اصلی وجہ زمین کی شادابی اور عمدگی تھی۔

میشک کماؤں کے پندرہوں نے جو وجہ بیان کی وہ سچ سمجھ کے بیان
 کی ہوگی اور ہم کو بھی لازم ہے کہ اُن کا ذکر عمدگی کے ساتھ کریں۔

مگر دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اُن کے دل میں کچھ ہوتا ہے اور ظاہر
 کچھ کرتے ہیں اور خود بھی یہ جانتے ہیں کہ ہم جھوٹ کہ رہے ہیں۔ یہ لوگ سکار
 اور فریبی ہیں اور ایسے لوگوں کی نسبت تمہارا خیال جیسا ہوتا ہے معلوم ہے۔
 دیکھو ہم تم کو بھیڑیے کا قصہ سناتے ہیں اسے سنو۔

دریائے گنگا کے کنارے ایک پہاڑی پہ ایک بھیڑیے کا بھٹ تھا ایک
 دفعہ دریا کو طغیانی ہوئی اور پانی اس قدر بڑھا کہ اُس نے چاروں طرف سے اس ٹیلے کو
 گھیر لیا جس پر بھیڑیا رہتا تھا۔ اب بھیڑیے صاحب پانی کی وجہ سے نہ کہیں نکل
 سکتے تھے اور نہ اُن کو کھانے کو کچھ نصیب ہوتا تھا۔ فارسی کی مثل ہے کہ ”بی کار پردہ
 چادر نہ ہونے سے ہے“ یہی حالت بھیڑیے کی ہوئی اُس نے کہا کہ ”مجھے کھانے
 کو تو ملتا ہی نہیں ہے پھر میں روزہ کیوں نہ رکھوں!“

یہ کہہ کر اُس نے روزہ رکھا اور ٹیلے پر بیٹھ کر عبادت میں مصروف ہوا اتفاق سے

ایک جھگی بکری پہاڑی میں سے پانی پینے کو نکلی اور اُس پر بھیر پیئے کی نظر پڑی۔ ”ابا! میری خوراک تو موجود ہے۔“ یہ کہہ کر بھیر پیئے صاحب بکری پر چھپٹے مگر بکری چھلانگ بھر کے نکل گئی اور بھیر باؤنٹھ دیکھ کر رہ گیا۔

”ارے کیا میں ایسا نالائق ہوں کہ روزہ رکھ کر بکری کو شکار کروں گا۔“
 بھیر پیئے نے اس وقت کہا جب بکری نکل گئی تہ ہرگز نہیں آج میں روزے سے ہوں۔ آج مجھے بکری کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔“

اب کہو کہ تمہارا خیال اس بھیر پیئے کی نسبت کیا ہے؟ ہمیں اس کی دعا بازی پر ہنسی آتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اسکے دل میں روزے کی سچی عظمت نہیں تھی اسی وجہ سے ہم کو اس کی اس سکاری سے نفرت ہوئی ہے۔ مثل ہے کہ ”دبڑھا میں دو لوگئے نہ مایہ ملی نہ رام۔“

یہی حالت بھیر پیئے کی ہوئی کہ نہ اس کو بکری کھانے کو ملی اور نہ ہمارے دلوں میں اس کی عزت باقی رہی۔

صدافت کی مزید مثالیں

(۱)

قرآن میں ایک سورہ یا فصل ہے جس میں حضرت محمدؐ کی (سراج) اور شب کے وقت آپ کے تہ سے بیت المقدس جانے کا ذکر ہے۔ اس سورہ میں دو آیتیں (جملہ) ہیں جو ایسے روشن ہیں جیسے اندھیری رات میں تارے روشن

ہوتے ہیں۔ ان دونوں آیتوں کا ماحصل ہے:-

(۱) کھڑی رکھ نماز سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک :-

(۲) اور گم آیا بیج۔ اور نکل بھاگا جھوٹ۔ بے شک جھوٹ نکل بھاگنے والا۔

غلطی کو صحیح علم سے بدلنے میں سچی۔ خوشی ہوتی ہے۔

استاد جب اپنے شاگرد کو اصلاح دیتا ہے تو اسے یہ خوشی ہوتی ہے کہ میں نے طالب علم کی آنکھیں کھول دیں اور اسے صداقت کی روشنی دکھائی۔

ہنومان کی فوج کے پچھ اور بندر رام کے ساتھ ہو کر دس ہزار دسین ماتھ

والے راکس (راون) سے لڑ رہے تھے اس وقت جب راون کو یہ معلوم ہوا کہ اب

میں فوجوں گا اور ہنومان کی بہادر فوج نے اُس پر زیادہ دباؤ ڈالنا شروع کیا اور علم

اور لچھمن اس تماشے کو خوش ہو کر دیکھنے لگے اس وقت راون نے جادو سے کام

دفعاً راون کے جادو سے اس کے اطراف ہزاروں رام اور لچھمن پیدا ہو گئے

یہ دیکھ کر ہنومان کی فوج سترہ ہوئی کہ رام اور لچھمن پر جو ان کے پیارے سپہ سالار تھے کس طرح

درختوں اور بڑے بڑے پتھروں سے حملہ کریں؟ راون نے دیکھا کہ میرا جادو چل گیا اور

اسکے موٹوں پر سسکا بڑا آئی اس وقت رام بھی ہنسے اور مکان میں نیر جوڑ کر ان خیالی راموں

اور لچھمنوں کی طرف مارا جو راون کے ارد گرد نظر آ رہے تھے۔ تیر کا چھوٹا تھا کہ وہ جادو

کی شکلیں نظر سے غائب ہو گئیں اور بندروں نے پھر اپنی بہادری کا اظہار شروع کیا۔

بنارس میں چار راہکار تھے۔ چاروں بھائی تھے چاروں نے ایک دن اپنے
 رتھ بانوں سے کہا کہ "ہم کو آبنوس کا درخت دکھاؤ" رتھ بان نے کہا کہ مہاراج کا جو
 حکم۔ پہلے وہ بڑے راہکار کو جنگل میں لے کر گیا۔ یہ موسم خزاں کا تھا۔ درخت میں
 پت جھڑ ہو چکی تھی۔ پھول پتے کچھ بھی نہ تھے۔ صرف ایک کالا ٹھوٹھ کھڑا ہوا تھا۔
 کچھ ہفتوں کے بعد دوسرے بھائی کو جنگل میں لے گیا اس وقت اس نے
 جو آ کے دیکھا تو درخت پتوں سے سبز پوش ہو رہا تھا۔
 تیسرا اس کے کچھ دنوں بعد جنگل کی ہوا کھانے گیا۔ اب درخت گلابی
 پھولوں سے لدا ہوا تھا۔

ایک روز چاروں بھائی ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے اُس وقت کس شخص
 نے ان سے سوال کیا کہ آبنوس کا درخت کیسا ہوتا ہے؟
 بڑے بھائی نے جواب دیا کہ: "جیسے لکڑی کا جلا ہوا گندہ"
 منجھلے نے کہا: "جیسے ہرا بھرا پھیل کا درخت"
 تیسرے نے فرمایا کہ: "جیسے گلابی گوشت کا ٹکڑہ"
 چوتھے نے کہا کہ: "جیسے ایشیا کا درخت جو پھولوں سے لدا ہو"

چونکہ چاروں بھائی کے بیان میں اختلاف تھا چاروں مل کر راجہ کے پاس آئے
 اور اپنا اپنا تجربہ بیان کر کے فیصلہ چاہا۔ راجہ چاروں کی قسمیں سنے کے مسکرایا اور
 کہا کہ تم چاروں بھائی سچ کہتے ہو لیکن سب سے یہ غلطی ہوئی ہے کہ تم میں سے کسی

بھی یہ نہ دریافت کیا کہ دوسرے موسموں میں اس درخت کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ اور اس طرح ایک موسم کی حالت تو معلوم کر لی مگر دوسری حالتوں کا خیال نہ کیا۔

۴

۳۳۰ یا اسی کے قریب زمانے میں ایک دن شاہنشاہِ دہلی نے دربار کیا اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ دربار کو خلعت و اعزاز عطا کئے۔ جب بادشاہ سب لوگوں کو جو کچھ دینا تھا دے چکا اس وقت اس نے دیکھا کہ ایک نوجوان جس کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا غیر حاضر ہے۔ یہ نوجوان سید احمد تھا۔

بادشاہ نے دربار برخاست کیا اور بوجے میں سوار ہو کر محل کو جانے کا قصد کیا عین اسی وقت سید احمد بھاگتے ہوئے آئے۔

عرض ہوئی نے پکار کر کہا "سید احمد"

"تمہارے بیٹے نے آنے میں بہت دیر کی" شاہنشاہ نے سید احمد کے باپ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

بوجہ چند قدم چل کر نگار خانہ جہاں تصاویر لگائی جاتی ہیں، میں داخل ہوا تھا کہ بادشاہ نے کمالوں کو ٹھہرنے کا حکم دیا اور سید احمد کو باریابی کا شرف بخشا۔ جب نوجوان سید احمد حضور میں حاضر ہوئے تو بادشاہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کے دیرِ حاضری کا سبب پوچھا۔

سید احمد نے جواب دیا "حضور انور میں آج دیر تک سو گیا۔ پھر میرے گھوڑا کھنی

جانور اور تیس برس کی عمر کا ہے حالانکہ وہ اتنا بڑھا ہے مگر بچہ بھی ایسا جاندار ہے کہ اگر میں اس کو تیز کرتا تو وہ مجھ کو لے کر کہیں کا کہیں بھاگ جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آہستہ آہستہ آنے میں مجھے اتنی دیر ہو گئی۔

درباری اس نوجوان کی تقریر سن کر حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگے کیونکہ وہ لوگ یہ سمجھے ہوتے تھے کہ سید احمد اپنی دیر حاضری کیلئے کوئی جملہ تراشیں گے۔ مگر واہ ری جرات کہ سید احمد نے بادشاہ سے صاف صاف عرض کر دیا کہ ان کے پاس دیر حاضری کا کوئی عذر۔ بجز اس کے نہیں ہے کہ وہ دیر تک سو گئے۔ دو بار یوں نے بہت چاہا کہ سید احمد کو اشارے سے روک دیں مگر سید احمد راست کوئی کو دوست رکھتے تھے اور چھوٹے بڑے ہر شخص سے بولنے کے عادی بادشاہ میں نوجوان کی صاف گوئی سے بہت خوش ہوا اور اس کو مرصع مسزج اور موتیوں کا مال اسے فریاد کیا جو پہلے سے ان کے لیے دینا تجویز تھا۔

یہ وہی نوجوان تھا جو آخریں سر سید احمد خاں کے نام سے مشہور ہوا اور جس نے مسلمانوں کی سب سے بڑی تعلیم گاہ - علی گڑھ کالج کو قائم کیا۔

سابق پندرہ سوال

دوسروں کی نسبت اسے زنی

اگر تم ایک کٹی لیکر اس کو آدھا پانی کے اندر ڈالو تو تمہیں ہم نظر آئے گا۔ مگر

لے ماؤڈاز سوانح نثری سر سید احمد خاں مصنفہ افغانستا کریل گولڈ بام - ۱۲

کیا وہ لکڑی بیج مچ ٹیڑھی ہے؟ لیکن اگر تم اپنی انکھی پانی میں ڈالو تو انکھی ٹیڑھی نہ معلوم ہوگی مگر لکڑی کو بھی جب تم پانی سے نکال لو تو اس میں جو خم نظر آتا تھا وہ نظر نہ آجیگا۔ اب سوچو کہ اگر تم نے یہ کہا ہونا کہ لکڑی ٹیڑھی ہے تو تمہاری یہ رائے غلط ہوتی یا نہ ہوتی؟

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم کسی چیز یا کسی آدمی کی نسبت رائے قائم کر لیتے ہیں مگر ہماری یہ رائے ”جلد بازی“ کی ہوتی ہے۔ ہم رائے قائم کرنے سے پہلے کافی غور نہیں کرتے ہیں اور اس کا ملاحظہ بھی بطریق نہیں کرتے کہ ہم کو اس کی صحیح حقیقت معلوم ہو جائے کہ فلاں چیز یا فلاں شخص کیسا ہے اور ہم کو جو بات اس میں نظر آتی ہے اسکی اصلیت کیا ہے۔

عرب کے کسی معزز آدمی کی نسبت یہ شکایت کی گئی کہ وہ اپنے مہمانوں کے ساتھ بے رُئی کا برتاؤ کرتا ہے اور ان کے آرام کا خیال نہیں رکھتا۔

ایک شخص نے جو ہمیشہ اس کا خیال رکھتا تھا کہ واقعات کی جانچ کر لیا کرے کہا کہ ”میں خود جاؤنگا اور اسکی تحقیق کرونگا“

عرض کہ یہ شخص اُس عرب کے مکان پر گیا اس سے کہا گیا کہ ”اس کمرے میں تشریف لائے“ وہ اُس کمرے میں داخل ہوا۔ اس سے کہا گیا کہ ”اس کمرے پر تشریف رکھیے“ وہ بیٹھ گیا۔ اس سے شطرنج کھیلنے کی فرمائش کی گئی وہ شطرنج کھیلنے لگا اس کے سامنے کھانا رکھا گیا اس نے خوشی خوشی نوش جان کیا۔ اس سے

باغ کی سیر کے لیے کہا گیا وہ اپنے میزبان کے ساتھ سیر کو گیا۔

اس وقت اس نے پوچھا: "یا شیخ میں ایک بات آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں بعض لوگ شکایت کرتے ہیں کہ آپ اپنے مہانوں کی راحت کا خیال نہیں رکھتے وہ کچھ اور کہتے ہیں آپ کچھ اور کہتے ہیں وہ کچھ اور چاہتے ہیں آپ ہتھ اور چاہتے ہیں؟

عرب نے جواب دیا: "میں آپ کا مطلب سمجھا! فرض کیجئے کہ ایک شخص میرے پاس مہمان آیا۔ میں نے اس کو بیٹھنے کے لئے کرسی دی اس نے اس پر بیٹھنے سے انکار کیا۔ میں نے اس کے سامنے کھانا لاکر رکھا اس نے کہا "جی نہیں معاف فرمائیے" میں نے اس سے شرطیج پھیلنے کی خواہش کی اس نے کہا میرا جی نہیں چاہتا" اب فرمائیے کہ ایسے آدمیوں سے کس طرح میراں پٹ سکتی ہے کہ ایک کچھ دن دوسرا کچھ رات۔ جو لوگ دوستوں سے ملنا چاہتے ہیں ان کو دوستوں کے مذاق کی پیروی کرنا چاہئے لے

اس قہقے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اس شریف عرب کے برتاؤ کی نسبت بُری خبریں مشہور کی تھیں وہ غلطی پر تھے۔ انہوں نے اس برتاؤ کی وجہ دریافت کرنے میں تامل نہیں کیا اور جلد بازی سے کام لیا لیکن جہاں یہ صحیح وہاں اتنا اور بھی کہ صاحبِ خانہ یعنی اس شریف کو بھی یہ لازم تھا کہ کچھ کچھ اپنے مہمانوں

لے ماخوذ المسطرون مترجمہ جی۔ ریٹ مفرین

کی خاطر سے خود ان کی خواہشوں کا تابع ہو جاتا۔ اس کو یہ نہیں چاہئے تھا کہ جس طرح لوگ اس کی نسبت بدگمانی کرتے تھے اسی طرح وہ بھی ہر شخص کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتا۔

فرض کرو کہ تمہارے مکان کے اطراف احاطہ ہو اور اُس احاطہ میں باغ ہو اور کوئی شخص جو تم سے ملنا چاہتا ہے وہ دروازہ کھولنے کا انتظار نہ کرے اور کسی درخت کی شاخ کو جو باہر نکلی ہو پکڑ کے دیوار پھانڈ کر اندر آ جائے تو کیا تم اُس کے اس فعل کو خلاف تہذیب اور وحشیانہ نہ خیال کرو گے؟

شاہ اسمعیل صفوی بادشاہ ایران جب خراسان کو فتح کر کے اپنے شہر کو واپس ہو رہا تھا اس وقت اس کے دل میں مشہور شاعر ہاتھی سے ملنے کا خیال پیدا ہوا۔ شاہ اسمعیل کو اس قدر عجلت تھی کہ وہ باغ کی دیوار پھانڈ کر اندر آیا اور وہیں ہاتھی سے ملاقات کی۔

ہاتھی سمجھ گیا کہ بادشاہ اپنی فتح کے واقعات بیان کرنے اور ان کے نظم کرنے کے لئے بہتہ بیتاب ہے اس لئے وہ بادشاہ کی اس لغو حرکت سے ناراض نہیں ہوا اور اُس کی فتح کے واقعات نظم کرنے کا وعدہ کیا اور اپنے وعدے کو پورا بھی کیا۔ اب میں تم سے ایک اور قصہ جلد بازی سے رائے قائم کرنے کے متعلق بیان کرتا ہوں جس کو سن کر تم ہنس دو گے۔

۱۲ ماخوذ از کتاب لونس آف پرسیس پوٹیس مسندہ ادسلی ۱۲

کہتے ہیں کہ ہندو فقیر کھال اور گھ کر بھیک مانگنے کے لئے نکلا۔ ٹھوڑی دور جانے کے بعد ایک میدان میں اس کو ایک مینڈھا ملا۔ اس جانور کی عادت ہے کہ جب کسی کو ٹکر دینا چاہتا ہے تو پہلے سر جھکا کر آزماتا ہے۔ مینڈھے نے بوسر جھکا یا تو سادھو مہاراج بہت خوش ہوئے کہ میں بھی کیسا مقدس آدمی ہوں۔ جانور تک میری تعظیم کرتے ہیں۔ دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ مینڈھے نے ٹکر دی اور سادھو مہاراج اوندھے منہ زمین پر آ رہے۔

اس قہقہے میں جو ادر بیان ہوا لکڑی دیکھنے میں سیدھی نظر آتی تھی مگر

حقیقت میں ٹیڑھی تھی۔

تم اکثر گھر میں مدرسے میں کارخانوں میں دفتر میں اور شہر میں ٹیڑھی لکڑیاں دیکھتے ہو گے۔

مکن ہے کہ ایک لڑکا بالکل خاموش اور سُست نظر آتا ہو مگر وہ

مدرسہ میں سب سے بہتر اور ہوشیار لڑکا ثابت ہو۔

مکن ہے کہ جو استاد دیکھنے میں بہت سخت گیر اور بد مزاج ہو وہی سب سے زیادہ مہربان اور اپنے شاگردوں کو اچھی تعلیم دینے والا ثابت ہو۔ مکن ہے کہ جو شخص تم سے دوستی کرنے میں بہت سُست معلوم ہوتا

ہو وہی آخر میں تمہارا بہترین دوست نکلے۔

اسی طرح ممکن ہے کہ جو آدمی اپنے اقوال و افعال کے لحاظ سے بد نظر آتا ہے اسی کے دل میں نیکی کی جھلک بھی ہو جیسا شہر اوگولیو کے رہنے والے بھیرٹیے کا قصہ مشہور ہے۔ غالباً تم اس قصہ کو سن کر خوش ہو گے:-

کہتے ہیں کہ ملک اطالیہ کے شہر اوگولیو کے اطراف ایک بھیرٹیا رہتا تھا جس نے شہر کے لوگوں کو بہت خوف زدہ کر رکھا تھا اور ان کی مجال نہ تھی کہ اس راستے سے جائیں جبھر اس خوفناک درندے کا بھٹ تھا اور تک وہ جانوروں کے علاوہ آدمیوں کے کھانے کا بھی عادی ہو گیا تھا۔

آخر سینٹ فرانسس نے جو عیسیٰ مسیح اور بی بی مریم کا خوش عقیدہ خادم اور ایک خدارسیدہ آدمی تھا یہ قصد کیا کہ خود جا کر اس بھیرٹیے کا سامنا کرے چنانچہ سینٹ فرانسس شہر کے بہت سے آدمیوں کے ساتھ بھیرٹیے کی طرف گیا۔

بھیرٹیے نے سینٹ موصوف کو آتے دیکھا۔ اس پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر فرانسس نے مقدس صلیب اس کے سامنے کر دی جس کو دیکھ کر خوفناک و زندہ ٹھیر گیا اور اپنا سر غریب بکری کی طرح جھکا لیا۔

”بھائی بھیرٹیے“ سینٹ فرانسس نے کہا ”تم نے اس شہر کے لوگوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ اور لوگ تم سے بہت ناراض ہیں۔ تم اس کے مستحق ہو کہ تم کو ان جرائم کے عوض میں جو تم سے سرزد ہوے میں قتل کئے جاؤ۔“

مگر میں نہایت خوشی سے تمہارے اور اہل اوگولیو کے درمیان صلح کر دینے پر آمادہ ہوں“

بھیڑیے نے اپنا سر جھکا لیا اور دم ہلانے لگا۔ سینٹ فرانسس نے پھر اپنی گفتگو کا سلسلہ اس طرح شروع کیا:

”بھائی بھیڑیے! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم ان لوگوں کے ساتھ صلح رکھو گے تو وہ بھی تمہارے ساتھ مہربانی سے پیش آئیں گے اور تمہاری خوراک روزانہ مہیا کر دیں گے۔ پس تم وعدہ کرو کہ اب کسی کو ضرر نہ پہنچاؤ۔“

یہ گفتگو سن کر بھیڑیے نے سر جھکا لیا اور اپنا دہنا پنجہ سینٹ کے ہاتھ میں دیا اور اس طرح سینٹ اور بھیڑیے کے درمیان صلح کا معاہدہ ہو گیا۔

اس کے بعد سینٹ فرانسس بھیڑیے کو ساتھ لے کر اوگلیو میں داخل ہوا اور جہاں بازار بھرتا تھا وہاں کھڑے ہو کر پھر وہی تقریر کی جو پہلے کی تھی۔ اور بھیڑیے نے پھر اپنا پنجہ اسی طرح سینٹ کے ہاتھ میں دیا گویا ہاتھ پر ہاتھ مار کے اس امر کا اقرار کیا کہ آئندہ میں اپنا رویہ اچھا رکھوں گا اور کسی کو ضرر نہ پہنچاؤں گا۔

کہتے ہیں کہ اس کے بعد وہ بھیڑیا دو سال تک شہر میں رہا اور کسی آدمی یا بچے کو ضرر نہیں پہنچا اور اہل شہر روزانہ اس کی معمولی خوراک اس کو پہنچاتے رہتے تھے۔ دو سال کے بعد بھیڑیا بوڑھا پنے کی وجہ سے مر گیا اور لوگوں کو اس کی موت پر ہنسی نہ ہو۔

دیکھنے میں بھیڑیا بڑھا تھا مگر اس قصے سے ظاہر ہے کہ اس کے دل میں نیکی کی پٹ بھی تھی ہر چند کہ اُس نیکی کا اظہار اس وقت تک نہیں ہوا جب تک سینٹ فرانسس اس سے ملنے کے لیے نہیں گیا۔ اور اُس نے اس بات کو معلوم نہیں کیا

کہ یہ خوف ناک و زبردہ بھی ہمارا دوست اور بھائی بن سکتا ہے۔ درحقیقت یہ ایک پرانہ قصہ ہے اور لفظ بہ لفظ صحیح نہیں ہے مگر اس کے ذریعہ سے جو سبق ہمارا سکھا یا گیا ہے وہ نہایت عمدہ اور اس سے تم کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ دیکھنے میں بالکل بد نظر آتے ہیں ان کے دل میں بھی نیکی کا بیج پوشیدہ ہوتا ہے۔

سبق سوچو

منکسر مزاجی (۱)

دیکھو ایک جا پانی کے دروازے کی طرف ایک شخص آ رہا ہے۔ یہ کون ہے؟ یہ ”گلدستہ بنانے والا ہے“ اس کا کام پھولوں کے ہار اور گلہ ستنے پنانا ہے۔ صاحب خانہ ایک کشتی لے کر نکلا ہے جس میں پھول ہیں ایک چھوٹی پینچی ہے۔ ایک چاقو ہے ایک چھوٹی سی آرمی ہے۔ اور ایک خوش نما گلدان ہے۔

گلدستہ بنانے والا حضور! میں اس لائق نہیں ہوں کہ جیسا گلدستہ اس خوبصورت گلدان کے لیے موزوں ہے ویسا بنا سکوں۔“

صاحب خانہ مہربانی سے ”مجھے یقین ہے کہ تم ضرور بنا لو گے“ یہ کہہ کر صاحب خانہ اندر چلا جاتا ہے۔ اور گلدستہ بنانے والا تنہا بیٹھ کر اپنے کام

لے ماغذاز کتاب لٹل فورس آف سینٹ فرانسس مصنفہ۔ ٹی۔ ڈیلیو۔ آرٹلر۔ ۱۲۔

میں مصروف ہوتا ہے۔ پھولوں اور چھوٹی چھوٹی ڈالیوں کو کاٹ چھانٹ کے اور ترتیب کے ساتھ باندھ بوندھ کر ایک ایسا خوبصورت گلہستہ تیار کر کے گلخان میں رکھ دیتا ہے جس کو دیکھ کر بے ساختہ زبان سے ”واہ“ نکلے۔

صاحب خانہ اور اُس کے دوست پھر اُس کمرے میں داخل ہوئے ہیں۔ گلہستہ بنانے والا ایک طرف کھڑا ہو کر عرض کرتا ہے۔ ”حضور میرا گلہستہ بالکل ناقص ہے اسے نکال ڈالیے“

صاحب خانہ ”نہیں! بہت اچھا ہے“

گلہستہ بنانے والا میز پر جس پر گلہستہ رکھتا ہے قبضی چھوڑ جاتا ہے۔ مبالغہ ہے کہ اگر کسی شخص کو گلہستی ترتیب میں کوئی عیب نظر آئے تو قبضی سے درست کر دے

اس کا ریگر نے اپنی پوری قابلیت گلہستہ کی تیاری میں صرف کر دی ہے۔ گلہستہ بہت اچھا بنا ہے۔ مگر پھر بھی اُسکو اپنی کاریگری پر کھمنڈ نہیں ہے۔ اور اس

بات کا مقرب ہے کہ مجھ سے غلطی کا ہونا ممکن ہے اور میرے کام میں نقص باقی رہ سکتا شاید یہ جا پانی کا ریگر اپنے دل میں یہ سمجھتا ہو کہ اس کا کام قابل تعریف ہے۔ دل کا

حال خدا جانے۔ مگر یہ تو ظاہر ہے کہ وہ زبان سے اپنی بڑائی نہیں کرتا۔ اور اسکا رویہ نہایت پسندیدہ ہے۔

برطانیہ کے جو شخص خود ستائی کرتا اور اپنے منہ میں مٹھو مٹھاتا ہے۔ لوگ اس پر ہنستے ہیں۔ سلیمان خلیفہ و شقیق کو خود ستائی کا مرض تھا ایک دن جمعہ کے روز خلیفہ برآمد ہوا اور سبز لباس سے اپنے تئیں آراستہ کیا سر پر سبز عمامہ رکھا۔ سبز قالین کے فرش پر۔

سبز محل کی مسند بچھا کر بیٹھا اور آئینہ سامنے رکھ کر اپنے دل میں کہنے لگا۔

”حضرت محمد خدا کے رسول اور پیغمبر تھے، ابو بکرؓ راحق کی گواہی دینے والے تھے۔
عمرؓ سیح اور جھوٹ میں فرق کرنے والے تھے، عثمانؓ حلیم اور بردبار تھے، علیؓ شجاع ہیں
بے ہمتی بے نظیر تھے، سعاویہ سخی تھے، یزید ستمعل مزاج تھا۔ عبد الملک اچھا حکمران تھا
ولید صاحب قوت بادشاہ تھا، مگر میں سب سے زیادہ خوبصورت اور حسین ہوں۔ لہ
گلدستہ ساز نے گلدستہ بنایا جس کے پھول بھی خوش نما ہیں اور ترتیب بھی اچھی
ہے مگر اس کی تعریف ہم کو کرنی چاہئے نہ کہ خود بنانے والے کو۔“

سلیمان بے شک خوب صورت ہے اور اس میں کبھی کوئی مضائقہ نہیں کہ خود بھی
اپنی خوبصورتی کا علم رکھتا ہے۔ مگر اس کی اس حرکت پر ہم کو فروتنی آتی ہے کہ
وہ آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر اور اپنے حسن پر گھمنڈ کر کے یہ خیال کرتا ہے کہ میں
عمرؓ اور یزید سے اس لئے اچھا ہوں کہ خوب صورت ہوں۔

مگر دوسرا قبیلہ اس سے بڑھ کر احمق اور خود پسند آدمی کا ہے جس نے یہ خیال
کیا تھا کہ یہ دنیا میرے لئے ناکافی ہے اور مجھے آسمانی ممالک کو بھی فتح کر لینا چاہیے۔
کہتے ہیں کہ قدیم زمانے میں ایران کا ایک بادشاہ کیسا وس نامی تھا اس نے بہت
سے ملک فتح کیئے تھے اور مفتوحہ ممالک سے بے شمار دولت جمع کی تھی گوہ البرز پر دو
عالی شان قطر عمیر کیے تھے جو سونے اور جواہرات سے پٹے پڑے تھے۔ جابجا جواہر

ڈھیر اس طرح لگے تھے کہ اُس کے محل کے کمروں میں رات کو بغیر چراغ و دن کی سی روشنی رہتی۔

اس فتمندی اور دولت کی کثرت نے کیکاؤس کو مغرور کر دیا تھا۔ جب اسکے دل میں غور نے جگھ کر لی تو شیطان کو جس کا یہی کام ہے کہ بنی آدم کو گمراہ کرتا رہے بہکانے کا موقع ملا۔ ایک دن شیطان ایک حسین خدمت گار کی شکل میں ایک گلدستہ لیے ہوئے بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا اور زمین پر سجدے میں جھک کر عرض کرنے لگا۔

”جہاں پناہ دُنیا میں کون ایسا بادشاہ ہے جو حضور کا مقابلہ کر سکے۔ مگر ابھی ایک

لمبک حضور کے فسخ کرنے کے لیے باقی ہے۔ اور وہ بالائے دُنیا ہے یعنی سورج

چاند اور ستاروں کی دُنیا اور آسمان کے وہ مخفی گوشے جہاں ابھی تک کسی رسائی نہیں ہوئی ہے۔

بادشاہ نے کہا کہ ”میں بغیر مریوں کے وہاں تک کیونکر پہنچ سکتا ہوں“

خدمتگار جہاں پناہ اس باب میں اپنے دربار کے عقلا یعنی سو بدولت مشورہ نگار

غرض کہ بادشاہ نے اپنے دربار کے سو بدولت کو جمع کیا اور اُن سے آسمان پر پہنچنے

کی ترکیب پوچھی۔ سو بدولت نے بڑے غور و فکر کے بعد یہ ترکیب سوچی کہ ایک چوکھٹا تیار

کیا جائے اُس کے چاروں کونوں میں عقاب باندھ دیئے جائیں۔ چاروں کونوں

پر چار بلند لکڑیاں کھڑی کر کے اُن میں گوشت کے ٹکے لٹکا دیئے جائیں

بیچ میں بادشاہ کا تخت رہے۔ عقاب گوشت کے لالچ میں پرواز کریں گے

مگر گوشت کو نہ پاسکیں گے۔ اس طرح برابر اڑتے رہیں گے اور بادشاہ کو

منزل مقصود تک پہنچادیں گے۔

یہ رائے کیکاؤس کو بھی پسند آئی جو کھٹا بنایا گیا اس میں عقاب اور گوشت
 جس طرح موبدوں نے بتایا تھا باندھا گیا۔ پنج میں بادشاہ سلامت تخت بچھا
 کر بیٹھے اور شراب کا ایک بڑا سا خم پاس رکھ لیا۔ عقاب گوشت کیلئے پرواز
 کرنے لگے مگر گوشت انھیں کیونکر ملے اس لیے کہ وہ خود بندھے ہوئے تھے اڑتے
 اور اونچے ہوتے چلے گئے۔ مگر کب تک! آخر بازو تھک گئے اور چاروں نے پر ڈال
 دیئے۔ اب کیا تھا۔ سارے کا سارا جٹم بادشاہ سلامت کو لے کر چین کے ایک
 بق و دق صحرا میں گرا۔ کیکاؤس بھوکا پیاسا زخمی اور چوٹ کھائے ہوئے زمین
 پر پڑا ہے اور اب اُس کو اپنی حماقت پر افسوس ہو رہا ہے آخر جب تک آدمیوں کو
 اس واقعے کی خبر ہوئی تو وہ جا کر بادشاہ کو اٹھا لائے اس کے بعد سے کیکاؤس نے
 نہایت عقلمندی اور نیک نامی کے ساتھ سلطنت کی اور غرور کو اپنے سر سے نکال دیا
 شیطان یہ تماشا دیکھ کر بادشاہ کی حماقت پر اُس وقت ہنسنا تھا اور ہم اب
 تک اس قصے کو سن کر ہنستے ہیں۔

اکثر اوقات تو ہما و مغرور اور خود پسند کی باتوں پر ہنسی نہیں آتی بلکہ اُس سے
 نفرت ہوتی ہے اور جو شخص ضرورت سے زیادہ خود ستائی اور غرور کرتا ہے ہم
 اس کو بہت برا سمجھتے ہیں۔ دنیا میں کوئی شخص خود ستا اور خود پسند آدمی کو
 اچھا نہیں سمجھتا جتنے کہ ایسے لوگ آپس میں بھی ایک دوسرے کو برا سمجھتے ہیں۔

راکشس راؤن رام کا جانی دشمن تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے نہایت کمزور
کی حرکت کی یعنی رام کی جو رو سینا کو چوری سے پکڑ لے گیا۔ ایسے شخص کا خود
پسند اور مغرور ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔

جب رام اور لنکا کے راکشسوں کے درمیان آخری گھمسان کی لڑائی ہوئی
اس وقت فتح مند رام اپنی رتھ میں اور راکشسوں کا راجہ راؤن اپنی رتھ میں سوار ہو کر
دست بدست لڑنے کیلئے مقابلے پر آئے۔ دونوں جانب کی فوجیں یعنی راؤن کے
راکشسوں رام کے ہمراہی رتھ اور بندر لڑائی کا تماشا دیکھنے کو ٹھہر گئے۔

اس وقت لنکا کے مغرور راجہ یعنی راؤن نے پکار کے کہا ”اے رام! آج اس
لڑائی کا خاتمہ ہے۔ بہتر ہے کہ تو اپنی جان لے کر بھاگ جا۔ ورنہ اب تھوڑی دیر میں
سیرے ہاتھ سے تیری عمر کا پیمانہ لبر بڑ ہوا چاہتا ہے۔ یہ سمجھ لے کہ تجھ کو راؤن مقابل کر رہا ہے۔“
یہ غرور کی باتیں سن کر رام ہی سُکرائے وہ جانتے تھے کہ راؤن کا آخری وقت
آہو پوچھا اور اپنے حریف سے خطاب کر کے بولے۔

”ہاں میں نے تیری قوت کا حال سنا ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ لوگوں
سنا ہے اُس کو آنکھوں سے بھی دیکھ لوں۔ اتنا ہار رکھ کہ اس دُنیا میں تین طرح کے
آدمی ہیں جیسے تین طرح کے درخت ہیں یعنی۔ ڈھاک (پلاس) آم اور گولر ڈھاک
میں خوش نام پھول ہوتے ہیں اس کی مثال اُن لوگوں کی ہے جو فقط باتیں بنا کر جانتے
ہیں۔ آم میں پھول بھی ہوتے ہیں۔ اور پھل بھی یہ مثل ان لوگوں کے

ہیں جو باتیں بھی کرتے ہیں اور کام بھی کرتے ہیں۔ گولر کے درخت میں فقط پھل آتا ہے وہ ان لوگوں کے مانند ہے جو کرتے ہیں مگر منہ سے نہیں کہتے۔
دشمن ان عقل مندی کی باتوں پر ہنسا مگر اس کے بعد سے اس کی عزت کی باتیں کرنے والی زبان ہمیشہ کے لیے بند ہو گئی۔ ۱۷

سبق ستر سوال

منکسر مزاجی (۲)

تم یہودیوں کے مشہور بادشاہ کیمبر، حضرت سلیمانؑ کے نام سے واقف ہو ان کی عظمت و جبروت کے بہت سے قصے انجیل مقدس اور دوسری کتابوں میں درج ہیں۔ ہم یہاں صرف ایک قصہ انجیل سے نقل کرتے ہیں۔
سلیمان بڑے دولت مند تھے۔ ان کے پاس ہاتھی دانت کا ایک تخت تھا جس پر خالص سونا چڑھا تھا۔ شیر کی دو مویشی بادشاہ کی نشست گاہ کی محافظ تھیں۔ چھ شیر تخت کی سپرٹھیوں کے دونوں جانب سنتری کی طرح کھڑے تھے۔ سلیمان کے جتنے استعمالی برتن تھے وہ سب سونے کے تھے۔ چاندی پر شلم کے شہر میں ایسی عام تھی جیسے کنکر پتھر۔ دور دراز ملکوں کے سوداگر سلیمان کے دربار میں سونا۔ چاندی۔ ہاتھی دانت۔ مور۔ قیمتی کپڑے۔ پتھیا زریں گھوڑے اور غیر وغیرہ لے لے ماخوذ کرتے۔ رامین ۱۲

حاضر ہوتے تھے۔ سلیمان ہی وہ بادشاہ تھا جس نے اپنے اباؤ اجداد اور اپنی قوم کے خدا کی عبادت کے لئے عالی شان معبد تعمیر کیا۔

مگر معبد کے تعمیر ہونے سے پہلے سلیمان نے ایک دن خدا کو خواہیں دیکھا کہ خدا ہر شاد کرنا ہے۔
 ”مانگ کیسا نکلتا ہے جو کچھ تو مانگے گا وہ تجھے ملے گا“ سلیمان نے جواب میں عرض کیا۔
 ”میرا باپ ایک سچا اور ایمان دار آدمی تھا۔ اب میں اُس کے تخت پر بیٹھا ہوں اور میرے سامنے جو کام ہے وہ بہت بڑا عظیم الشان ہے۔ سیری بھی بہت کم ہے اور میں بچہ ہوں۔ سیری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں اور میں قوم پر مجھے سلطنت کرنا ہے اس کو کس طرح آرام اور راحت پہنچاؤں اس لیے سیری خواہش ہے کہ مجھے عقل عطا ہو تاکہ میں اچھائی کو بُرائی سے الگ کر سکوں“
 اس کے جواب میں خدا کا ارشاد ہوا کہ:-

”چونکہ تو نے بڑی عمر اور بے شمار دولت کی خواہش نہیں بلکہ عقل کی خواہش کی تاکہ انصاف کو نا انصافی سے الگ کر سکے اس لیے ہم تجھے ایسی عقل سلیم عطا کرتے ہیں کہ عقل میں کوئی تیرا مقابل نہ ہوگا اور اسی کے ساتھ بڑی عمر اور بے شمار دولت بھی تیرے حصے میں دی جاتی ہے“

اب تم غور کرو کہ اس نوجوان بادشاہ نے کیسی سنجیدگی اور سلیم لطبعی کی تقریر کی یعنی ”میں ابھی بچہ ہوں“ کیا اس سنسکر مزاجی کی باتیں کرنے کی وجہ سلیمان کی تانہیں کوئی فرق آیا۔ سنسکر مزاجی بڑے آدمیوں کی شان کو اور بڑھاتی ہے اور دیکھنے والوں کا جی خوش

ہوتا ہے۔ دیکھو میں تم سے تین فیصلے پیغمبر اسلام حضرت محمد کے بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ آپ کیسے منکسر مزاج تھے۔

(۱) آنحضرت محمد کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ آپ قاطر کی سواری کو نپا وہ پسند کرتے تھے حالانکہ معمولی مگر سفور لوگ کبھی سوا گھوڑے کے دوسری سواری پر نہ بیٹھتے تھے اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ قاطر پر سوار جاتے ہیں اور کوئی شخص راہ میں ملتا تو حضرت اس کو اپنے ساتھ بیٹھا لیتے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے کہ:-

”میں دسترخوان پر جب بیٹھا ہوں تو اس طرح جیسے عبد غلام بیٹھا ہے اور

کھاتا ہوں تو اس طرح جیسے عبد کھاتا ہے کیونکہ درحقیقت میں عبد (خدا کا) ہوں۔“

(۲) ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ آنحضرت قبائل قریش کے کسی سردار سے بائیں کر رہے

تھے۔ آپ کے ایک صحابی عبداللہ بھی حاضر تھے۔ عبداللہ چونکہ نابینا تھے ان کو اس کا

علم نہ تھا کہ حضرت کے پاس کوئی شخص اور بھی ہے وہ بیچ میں بول اٹھے اور حضرت

سے آیات قرآنی ارشاد فرمانے کی فرمائش کی۔ آنحضرت کو عبداللہ کی یہ حرکت

ناگوار ہوئی اور آپ نے ان کو خاموش رہنے کا حکم دیا۔ مگر بعد میں حضرت کو خیال آیا

کہ آپ نے عبداللہ سے سختی برتی بعد اُس وقت سے آپ عبداللہ کی بہت

خاطر ملحوظ رکھنے لگے اور کئی بار ان کو شہر مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔

(۳) ایک بار حضرت محمد اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ جگہ تنگ تھی اور آبی نہ

آپ دوزانو کو کر بیٹھ گئے کہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔

اس مجمع میں ایک بدوی عرب بھی موجود تھا جس کا خیال حضرت کی نسبت یہ تھا کہ بہت بڑے سردار بادشاہ ہیں۔ اس کو دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ حضرت بادشاہوں کی طرح تخت پر بیٹھنے کے بجائے عام مجمع میں اس طرح دوزانو ہو کر بیٹھے ہیں۔ اس نے تعجب سے پوچھا کہ وہ کیا یہی طریقہ بیٹھنے کا ہے؟

آنحضرت نے جواب میں فرمایا، "ہاں، میں خدا کا ایک ناجیز بندہ ہوں کوئی سفور بادشاہ نہیں ہوں"۔

اوپر جو حکایتیں بیان کی گئیں ان سے تم کو خدا کے پیغمبر کی سنکسر مزاجی کا حال معلوم ہوا اب ہم تم کو ایک مشہور انگریز کا قصہ سناتے ہیں جو سائیس کا بہت بڑا تھق تھا۔ یعنی سراسحق نیوٹن۔

ولایت کے صدا ہا آدمی۔ مرد عورت۔ بچے لندن کے مشہور گرجا میں جو

ویسٹ سٹریٹ پہلاتا ہے نیوٹن کے مزار کی زیارت کرنے آتے ہیں اور اسکی

عالی دماغی کو یاد کر کے دل سے اُس کے نام کی عزت کرتے ہیں جس طرح مشہور

فلسفی چارلس ڈارون کے نام کی عزت کرتے ہیں جو اسی گرجا میں مدفون ہے۔

سراسحق نیوٹن ۱۶۴۲ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۷۲۷ء میں وفات پائی۔ انہی عمر کی

اس طہ لانی مدت میں اُس نے نہایت غور کے ساتھ کتاب فطرت کا مطالعہ کیا اور اس

دُنیا میں جو چیزیں خدا کی بنائی ہوئی ہیں ان کی حقیقت اور حالت کا پتہ لگانے کی کوشش کی۔ اس نے کشش مرکزی یا کشش ثقل کی قوت کو جس کی وجہ سے ایک دوسری چیز کو اپنی جانب کھینچتی ہے دریافت کیا۔ اس نے پتہ لگایا کہ کس طرح چاند اور سورج سمندر کے پانی میں لہریں پیدا کرتے ہیں۔ اُس نے سورج کی روشنی کی ماہیت کو اور اس بات کو دریافت کیا کہ اس سفید روشنی میں مختلف رنگ کی شعاعیں ہیں جو دھنک (قوس قزح) کے سات رنگوں میں ظاہر ہوتی ہیں اور اسی طرح کی بہت سی باتیں نیوٹن نے دریافت کیں۔ تمام انگلستان کو اس یگانہ روزگار شخص کے وجود پر فخر تھا جس کو کتاب فطرت کے مطالعے میں ایسا کمال حاصل تھا۔ ایک دن ایک لیڈی نے اثنائے تقریر میں اس کی عقل مندی اور لیاقت کی بہت تعریف کی۔ اس کے جواب میں نیوٹن نے کہا کہ:-

”وافسوس! سیری حالت مثل ایک بچے کے ہے جو حقیقت میں بحرِ ذخار کے کنارے بیٹھا ہوا سنگریزے چُن رہا ہے“

غالباً تم سمجھ گئے ہو گے کہ حقیقت کے ”بحرِ ذخار“ سے مراد فطرت کے قوانین ہیں جنکی نسبت بڑے سے بڑا عالم بھی پوری معلومات نہیں رکھتا۔ بچوں کا قاعدہ ہے کہ جب مندی یا سمندر کے کنارے جاتے ہیں تو کنکریاں چُن چُن کر جمع کرتے ہیں مگر ایک بچہ کیا اندازہ کر سکتا ہے کہ جن سمندر کے کنارے سے وہ کنکریاں چُن رہا ہے اس کی وسعت کس قدر ہے۔ پھر خیال کرو کہ فطرت کا کارخانہ یعنی اس دُنیا میں جو جو

موجود ہو سکتا ہے اس سب کو ہماری عقل کہاں تک سمجھ سکتی ہے۔!
 پھر اگر نیوٹن نے اپنی مثال ایک بچے سے دی تو اُس کی عزت اور لیاقت
 میں کیا فرق آیا؟ کچھ بھی نہیں۔ البتہ اس سنسکر مزاجی کی وجہ سے ہماری نظروں
 میں اس کی عزت اور زیادہ ہو گئی۔

بہت زمانہ ہوا کہ انگلستان کی ایکسٹریس جس کا نام کتھریں اسٹیفن تھا جو
 لندن وغیرہ کے مشہور ٹھیٹروں میں گایا کرتی تھی اور ہزار ہا آدمی اُس کا گانا
 سننے کو جمع ہوتے تھے۔ اس کی مشہرت اس قدر تھی کہ ہر شخص کی زبان پر اُس
 کا نام تھا اور کوئی اخبار ایسا نہ تھا جس میں اُس کا ذکر نہ چھپتا ہو۔

ایک بار کہیں دعوت کا جلسہ تھا اور میں اسٹیفن بھی اُس میں شریک تھی
 اُس وقت ایک کم سن لڑکی سے جس کی آواز بہت اچھی تھی گانے کی فرمائش
 کی گئی لڑکی نے جو گیت گانے کو کہا وہ دو مصرعے سروں کا تھا یعنی اُس کی ایک
 کڑی بچی آواز میں گائی جاتی تھی اور دوسری آواز میں۔ مگر اب سوال یہ تھا کہ اُس
 کے ساتھ مل کر نیچے کے سُر کو کون گائے گا۔ کوئی اس بات پر آمادہ نہ تھا کہ اس
 کم سن لڑکی کے ساتھ نیچا سُر گائے۔ آخر میں اسٹیفن نے کہا کہ میں گائی ہوں چنانچہ
 اُس نے اُس لڑکی کے ساتھ مل کر گیت گایا اور اس طرح گایا کہ لڑکی کی آواز ناچھی
 جاتی تھی اور انگلستان کی اس مشہور مغنیہ کی آواز پست رہتی تھی۔

مغنیہ والوں کو اس جگہ میں بڑا لطف آیا۔ اور انہوں نے بہت تعریف کی

مگر سب سے زیادہ قابل تعریف اس خاتون کی منکسر مزاجی ہے جو خوشی سے ایک کم سن لڑکی کے ساتھ گانے کو تیار ہو گئی۔

مزید حکایتیں

وڈیا ساگر (۱)

۱۸۶۴ء میں کلکتہ کے سنسکرت کالج کے لئے ایک دیا کن (صرف نحو) پڑھانے والے پنڈت کی ضرورت تھی اور ایشور چند وڈیا ساگر اس جگہ کے لیے طلب کیا گیا۔ اس وقت وڈیا ساگر پنجاس ماہوار کے نو کرٹھے اور اس نئی جگہ کی تنخواہ نو سے تھی مگر اس نیک دل پنڈت نے یہ خیال کیا کہ میرا دوست ترکا واچس پتی بہ نسبت میرے وڈی کن کی تعلیم اچھی دے سکتا ہے اور اس نے اپنا یہ خیال ظاہر کر دیا چنانچہ یہ طے پایا کہ واچس پتی کو یہ جگہ دی جائے۔ وڈیا ساگر کو بڑی خوشی ہوئی اور وہ خود کلکتہ سے پیدل اس کے گانوں کو گئے جہاں واچس پتی رہتا تھا کہ خود اپنے دست کو خوشخبری سنائیں۔ ترکا واچس پتی اپنے دوست کی اس شرافت اور منکسر مزاجی کو دیکھ کر حیران ہو گیا اور اس نے کہا کہ وڈیا ساگر تم آدمی نہیں بلکہ آدمی کے بھیس میں دیوتا ہو لہ

مغرور جگنو (۲)

ایک شخص نے روشن آفتاب کی طرف دیکھ کر کہا ہوا ہو کہا روشن ہے۔

ایک آواز آئی "جیسی دوسری چمک دار چیزیں ہیں" وہ آدمی ادھر ادھر دیکھنے لگا کہ یہ آواز کس کی ہے۔ اور ایک جھاڑی میں اُسکو چھوٹا سا جگنو نظر آیا۔

آدمی نے کیا یہ تمھاری آواز تھی؟

جگنو "ہاں میں نے یہ کہا کہ آفتاب بھی روشن ہے اور میں بھی روشن ہوں"

آدمی "آفتاب بھی روشن ہے اور تم بھی روشن ہو"

جگنو "ہاں آفتاب چاند تارے اور میں سب روشن ہیں" سہ

(۳) سینٹ فرانسس

نیک اطالیہ میں چار آدمی ایک پہاڑ پر چڑھ رہے تھے چاروں عیسائی سناسی تھے۔ ان کا رہنا سینٹ فرانسس تھا جو خادم مسیح کے لقب سے مشہور تھا اور دوسرے تین آدمی اسی فرقے کے سناسی تھے۔ پہاڑی چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھی۔ چوٹی پر ایک سطح میدان تھا۔ سینٹ فرانسس اسی مقام پر عبادت کرنے کے لیے جا رہا تھا۔ سینٹ فرانسس مشہور آدمی تھا اور امیر و عزیز سب اُسکی عزت کرتے تھے۔ دن گرم تھا۔ چڑھائی بہت تھی اور فرانسس چلنے سے تھک گیا تھا۔ اس لیے اس کے ہمراہیوں میں سے ایک شخص ایک کسان کے پاس گیا اور فرانسس کی سواری کے لیے گدھا مانگا

سہ ماخوذ از کتاب ہندوستانی کہانیاں مصنفہ راما سوامی راجو - ۱۶

کسان نے خوشی سے اپنا گدھا حوالے کیا۔ فرانسس سوار ہو گیا اور تینوں فقیر اور کسان پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ اُس وقت کسان نے فرانسس سے پوچھا۔

کسان۔ ”کیا تم ہی بھائی فرانسس ہو؟“

فرانسس۔ ”ہاں“

کسان۔ ”پھر تم کو ویسا ہی بننے کی کوشش کرنا چاہئے جیسا لوگ تم کو سمجھتے

ہیں تاکہ اُن کا عقیدہ تمہاری طرف سے درست رہے“

فرانسس کو کسان کی یہ باتیں بالکل ناگوار نہ ہوئیں اس لیے کہ اُس کے کان

غریب اور اسیر کی نصیحت سننے کے لیے یکساں کھلے تھے وہ فوراً گدھے

پر سے اتر پڑا اور اس دیرماتی کے قدموں پر جھک کر اُس کی نصیحت کا شکر ادا کیا۔

سبق اکٹھار ہواں

علم کی فتح

رشی بہری گو مہاتما کوہ کیلاس کی چوٹی پر رونق افروز تھے اُس وقت

بھردواج نے اُن سے حسب ذیل سوالات کیے۔

دُنیا کو کس نے بنایا۔

آسمان کتنا بڑا ہے۔

یانی کس طرح پیدا ہوا۔

آگ اور ہوا اور زمین کس طرح پیدا ہوئے۔

زندگی کہا ہے۔

شکلی کیا ہے۔

اس دنیا کے بعد کیا ہے۔ وغیرہ۔ وغیرہ۔

یہ سوالات جیسے مشکل اور بڑے تھے ویسے ہی ان کا جواب دینے

کے لیے بھی بڑے رشی کی ضرورت تھی۔

مگر بھروسہ کے قالب میں انسان کی روح تھی جس کی فطرت یہ ہے کہ

ہمیشہ پوچھتا رہتا ہے مگر کبھی اس کا علم کامل نہیں ہوتا۔

بچہ سوال کرنے سے نہیں ٹھکتا ہمیشہ کچھ نہ کچھ پوچھتا رہتا ہے کہ یہ کیا ہے

وہ کیا ہے۔ یہ چیز کیوں نکرتی ہے۔ یہ چیز کیوں حرکت کرتی ہے۔ کھلی کیوں چمکتی ہے۔

پانی میں لہر کیوں اٹھتی ہے۔ سونا کہاں سے آتا ہے۔ کوہِ کبیرہ کہاں پیدا ہوتا ہے۔

لوہا کہاں سے آتا ہے۔ کتا میں کس طرح چھاپی جاتی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

بچہ ہوا آدمی ہمیشہ سوال کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب ہم کو کوئی بات

علوم ہے تو ہم جواب دے سکتے ہیں۔ ہم تعلیم دے سکتے ہیں۔ ہم علم کو پھیلا سکتے

ہیں۔ ہم کو کیا سیکھنا چاہئے اور کیا سکھانا چاہئے کیا اس کی ضرورت ہے کہ دنیا

میں جو کچھ گزرا ہے ہم اس سب کی نسبت معلومات پیدا کریں۔ کیا اسکی ضرورت ہے کہ

دنیا کے تمام انسان جو الفاظ بولتے ہیں ہم اُن سب کے یاد کرنے کی کوشش کریں
 مہا بھارت کی مشہور نظم میں اُن تیروں کے بہت سے نام آئے ہیں جو پانڈو اور
 دوسرے سپاہی استعمال کرتے تھے۔ مثلاً سارا۔ دانا۔ ایشو۔ سیاکا۔ پاترن۔ کانٹا۔
 ونشی کا۔ نرچا۔ ویپا تھا۔ پرشتکا۔ بھالا۔ ٹومرا۔ سالیبا۔ اٹھیکا۔ سلی موکھا۔ انجالی کھا
 مگر یہ ضرور نہیں ہے کہ ہم تیروں کے یہ سب نام یاد کریں اسی طرح بہت سی چیزیں
 اور بہت سے نام ہیں جن کے یاد کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں ہے۔

ہم اخباروں کی باتیں کرتے ہیں جہازوں کے تباہ ہونے۔ قتل۔ ڈاکہ۔ فوجداری
 دیوانی مقدمات۔ جنگ آتش زدگی۔ جلسے شادیاں۔ اور ایسے ہزاروں باتوں کا
 خیال ہمارے دل میں گزرتا ہے۔ اور اُسکے حالات ہم اخباروں میں پڑھتے ہیں۔
 مگر پھر چند سنٹ میں بھول جاتے ہیں۔

جب ہم قرآن (مجید) کھولتے ہیں تو اُس میں ہم کو ایک سورۃ نظر آتی ہے جسکا
 عنوان ”النبأ“ ہے جس کے معنی خبر کے ہیں اُس وقت ہم کو اُن سب چیزوں کا
 خیال پیدا ہوتا ہے جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔

مگر آنحضرت محمد صلعم کوئی معمولی انسان نہ تھے جن کو بڑی خبروں اور بیکاریوں
 میں لطف آتا۔ سورۃ النبأ کو پڑھو اُس میں شروع ہی میں لکھا ہے ”انظر انبیاء کما کذبوا
 ” شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان رحم والا ہے کیا یہ بات پچھتے ہیں لوگ
 آپس میں اُس بڑی خبر سے جس کی نسبت وہ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے

ہیں۔ وہ اب جان لیں گے۔ نہیں نہیں وہ اب جان لیں گے۔ کیا ہم نے نہیں بنایا
 زمین کو کچھونا۔ اور پہاڑوں کی منجھیں۔ اور تم کو بنایا ہم نے جوڑے جوڑے سے۔ بنایا
 ہم نے تمھاری نیند کو ماندگی کا دور کرنے والا۔ اور بنایا رات کو اور صبح اور بنایا
 دن کو روزی پیدا کرنے کے لیے۔ اور بنائیں تمھارے اوپر سات چھتیس مضبوط اور
 بنایا ہم نے ایک چمکتا ہوا چراغ اور برسایا ہم نے پانی بادلوں سے کہ پیدا کریں اس سے
 اناج اور سبزہ اور باغ ہرے بھرے۔“

اس طرح پیغمبر صاحب نے انسانوں کے دلوں کو روشن کیا تاکہ وہ بڑی بڑی
 چیزوں کا خیال کر سکیں اور ایسی چیزوں کو سوچیں اور سمجھیں جن کی خوبصورتی
 پانکار ہے اور ایسی باتوں کو سنیں اور باور کریں جو انسانوں کو یہ سکھاتی ہے کہ
 اس دنیا کی زندگی نہایت عمدہ اور شریفانہ ہے۔

اس لیے ہم کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ بعض الفاظ اور باتیں یا چیزیں اس قابل
 نہیں ہوتیں کہ ان کو کہا یا سنا جائے۔ اور بعض باتیں کہنے اور سننے کے قابل ہوتی ہیں
 چاہے ان کے دریافت کرنے میں کتنی ہی زحمت کیوں نہ اٹھانی پڑے۔

آدمی کی قوت اُسکے دماغ سے ہے۔ ہاتھ پیر اور جملہ اعضاء دماغ کے تابع
 ہیں جو سوچتا اور منصوبہ بناتا ہے۔ خیال کرو کہ جس وقت سے انسان اس زمین پر
 آباد ہوا ہے اس وقت سے اس وقت تک اس نے نیچر پر کس قدر فتح حاصل کی ہے۔
 ذیل میں جو قصہ رام جی کے سمندر پار اُترنے کا بیان کیا جاتا ہے اس سے انسان

کی قوت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ جو وقت رام جی ہندوستان کے ساحل پر پہنچے اور انکو معلوم ہوا کہ ان کی پیاری رانی سینٹا جزیرہ لٹکا میں قید میں اُس وقت اُن کو سمندر پار جانے کا خیال پیدا ہوا۔ رام جی کی فوج بہت بڑی تھی مگر یہ فوج بندروں اور تپچھوں کی تھی۔ بھلا یہ جانور پانی سے کیونکر پار اُتر سکتے تھے؟ مگر رام جی کی دوہین ذہن رسا اور دل بہادر تھا۔ انھوں نے پہلے نہایت نرم الفاظ میں سمندر سے پوچھا:-

”ہاں ساگر! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ میری فوج کو گزر جانے دے۔“ مگر سمندر نے کچھ جواب نہ دیا۔ تین دن رام جی انتظار کرتے رہے۔ آخر انھوں نے اپنے بھائی کو بلا کر کہا:-

”لچھمن میری کمان اور تیر لاؤ۔ میں نے اس سمندر سے التجا کر کے اپنی بات کھوئی۔ جس طرح کوئی کسان اپنا بیج ریتی میں بکھریا کرے۔“ رام جی گو آدمی کے بھیس میں تھے مگر آخر دیوتا تھے جب انھوں نے سمندر کی پر شور لہروں پر تیر چلایا جس سے سمندر کے کلبجے میں سوراخ پڑ گیا اور اسکو سخت لہیرا پہنچی اور جتنی مچھلیاں سمندر میں تھیں سب ڈر گئیں۔ اسوقت سمندر کی راج نے برہمن کا قالب اختیار کیا جو ایک سونے کی تھالی میں جس میں تندر کیلئے جوہرات بھرے ہوئے تھے دوڑا ہو کر دیوتا کے سامنے سر ہیٹیک کر رہے تھے۔

سمندر نے رام چندر جی کے کنول کے سے پانوں پکڑ لئے اور عرض کی کہ:-

و وہاں ہی ہمارا راج! میرے گناہوں کو معاف کر۔ میں بھی مثل اپنے ہم جنسوں
یعنی ہوا۔ خاک۔ اور آگ کے ہوں۔ مگر وہ اس قدر بے حس اور متحمل ہیں کہ کچھ
ایسے دیوتا کا حکم بھی نہیں سنتے۔ آج تک میں نے کسی بہادر کا حکم نہیں مانا تھا
مگر آج سے میں آپ کا تابع رہوں جو مرضی بہار کا ہو وہ کیجئے۔“
اس وقت رام چندر جی نے مسکرا کر فرمایا کہ :-

”تو یہی سمندر مجھے یہ بتا کہ میری فوج تیری پرشور لہروں اور طوفانی
سطح پر سے کس طرح گزر سکتی ہے؟“
سمندر نے جواب دیا :-

”میرا پانی اُن پتھروں اور چٹانوں کو جو تیری فوج کے آدمی اس پر کھینکے
اپنی چھاتی (سطح) پر سہارے رہیں گے اور اس طرح ہندوستان سے لاکھ لاکھ ایکسپل تیار ہوں گے۔“
اس وقت رام چندر جی نے اپنی فوج کی طرف مخاطب ہو کر دیا کہ
”اس سمندر پر پل بنایا جائے۔“

فوج۔ ”ورام کی ہے۔“

عرض کہ رام جی کی فوج کے بندروں اور رکھپوں نے دھتوں کی ڈالے اور پہاڑوں
کے پتھر اور چٹانیں ٹوٹ توڑ کے جمع کیں اور ان کو معماروں کے چودھری تل اور
نیل کے پاس لے گئے۔ نیل اور نیل نے اُن پتھروں اور لکڑیوں کو ملا کر اس طرح باندھا
کہ وہ عظیم کاظم پانی پر شیر نے لگا اور رام جی کی فوج اس پر سے گزر گئی۔

رام جی ہندوستان کی ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کے بیٹھے اور اپنی سب فوج کے
پہلے سے گزرنے کا تماشا دیکھتے رہے۔

جس طرح راجندر جی نے سمندر کی روح سے اپنی اطاعت کروالی اسی طرح
انسان کا دماغ جو بی نوع انسان کی افضلیت کا نمونہ ہے۔ اسی سمندر پر فتح حاصل کر لیتا ہے۔
سمندر ہی نہیں بلکہ سمندر کے علاوہ اور بہت سی چیزوں پر بھی انسان نے فتح حاصل

کی ہے۔ مثلاً اس نے ہوا پر قبضہ کر لیا ہے جس سے وہ اپنے بادی جہازوں اور ہوائی
چکیوں کو چلاتا ہے۔ اس نے برف اور برف پر فتح پائی ہے کیونکہ اکثر ستیاچ ^{مہلا} قطب
اور قطب جنوبی کے سمجھ مقامات اور برف پوش پہاڑیوں کی بلند چوٹیوں تک پہنچنے
میں۔ انسان نے جنگلی چیزوں پر فتح حاصل کی ہے اور تمام دنیا میں اس نے ایسے
جوانات کو ہلاک کیا ہے جس سے اس کی ذات کو یا بال بچوں کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ
ہے۔ مثلاً۔ ببر۔ شیر۔ بھیرٹا۔ سانپ۔ شکارک وغیرہ اور ہر چند کہ انسان کو سمندر پر
ابھی بہت زیادہ قدرت نہیں حاصل ہے مگر زمین پر اس نے اپنی قوت کو منوالیا ہے۔
انسان نے جہاں ایسے جانوروں کو جو ضرر اور صدمہ پہنچاتے ہیں ہلاک اور زمین کو ہلاک
کیا ہے وہاں کارآمد جانوروں کی حفاظت اور پرورش بھی کی ہے مثلاً میل گھوڑے ہاتھی وغیرہ
لیکن یہ تمام فتوحات جو انسان نے اس دنیا کی چیزوں پر حاصل کیے ہیں وہ سب

۱۔ ماخوذ از کتاب را این فلسفی داس ترجمہ۔ ایف۔ ایس۔ گرو نر۔ ۱۲۔

۲۔ شکارک ایک قسم کا دریائی جانور مثل بڑی مچھلی کے ہوتا ہے جو جھکھو توڑ دیتا ہے۔ مترجم

اپنے ہاتھ اور اوزاروں اور ہتھیاروں کے زور سے کی ہیں اور ہاتھ اور اوزار اور ہتھیاروں کے زور سے
انسان جو معلومات کے زور سے فتح پاتا ہے پہلے وہ علم حاصل کرتا ہے اور پوچھتا ہے
اور پھر پوچھتا ہے اور پوچھتا ہے اور اس طرح جو کچھ معلومات ہوتی ہے اُس کو
محفوظ رکھتا ہے یہاں تک کہ حقیقت معلوم کر لیتا ہے۔

قدیم تاریخوں میں بھی آدمی فاتح کے لقب سے یاد کیے گئے ہیں۔ یہ فاتح
اس طرح کے تھے جیسے:۔ سکندر اعظم جس نے مغربی ایشیا اور مصر کو فتح کیا جو
مصر رومی جس نے اُس ملک کو فتح کیا جو آج فرانس کہلاتا ہے اور پھر برطانیہ کو
فتح کرنے کے لیے اپنی فوجیں سمندر پار لے گیا۔

بابر بادشاہ جس نے شمال ہندوستان کو فتح کیا۔

شہنشاہ نیپولین جس نے ایک وقت میں یورپ کے بہت بڑے حصے کو فتح کر لیا تھا۔
مگر تم بھی فاتح بن سکتے ہو۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو تم اپنے ارد گرد کے حالات
دیکھ کر سیکھ سکتے ہو۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو استادوں اور کتابوں سے سیکھنے کی ہیں۔
پس پوچھو۔ تلاش کرو۔ سیکھو۔ اور فتح کرو اس وقت تم بھی اپنے نام کے ساتھ فاتح کہے

سبق انیسواں

علم طب ہنود

یونان کا مشہور بادشاہ سکندر اعظم، اپنے آبائی وطن یورپ سے ہندوستان

کی طرف فوج لے کر روانہ ہوا اور اس سفر میں اس کے بہادر سپاہیوں کو بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ ہم خیال کر سکتے ہیں کہ اتنے بڑے سفر میں اس کو اپنے آدمیوں کی دیکھ بھال اور چاہ سازی کے لیے طبیوں کو ہمراہ رکھنا ضروری تھا۔ اس کے متعلق یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سکندر نے اپنی فوج میں دو ہندو طبیوں کو بھی رکھا تھا جو بعض ایسی بیماریوں کا علاج کر سکتے تھے جن سے یونانی طبیب بالکل ناواقف تھے یہ کہا جاتا ہے کہ جس نے سب سے پہلے علاج کا باقاعدہ طریقہ دریافت کیا یہ لوگ اپنے علم طب کو آئیورویجینی علم صحت کہتے تھے جن ہانوں میں ان لوگوں کو کمال حاصل تھا وہ حسب ذیل تھیں۔

گوشت سے تیروں اور پتھروں کے ریزوں کا ناکار اور اُس سے جو زخم پیدا ہو جائیں اُنکو درست کرنا آنکھ۔ کان۔ ناک وغیرہ کو جو صدمہ پہنچے ان کا علاج کرنا بچوں اور ماؤں کی حفظان صحت کی خبر گیری کرنا۔
زہر کا علاج اور اُس کا دفعیہ کرنا۔

دودواؤں کو ملا کر تہ دو انیٹار کرنا یعنی علم کیمسٹری کا عملی استعمال کرنا۔
ہزار برس سے زیادہ زمانہ ہو جب ایک ہندو مصنف نے طب کی ایک کتاب تصنیف کی تھی اس کا نام چرک تھا اس کتاب میں خون جلد غذا جو اس اور ایسی بیماریوں کا جیسے بخار۔ جذام۔ دسمہ۔ مرگی وغیرہ کا ذکر ہے چرک کی اس کتاب کی سیکڑوں نقلیں کر لی گئیں اور عربوں نے اُس کا ترجمہ عربی زبان میں کیا۔ اسلیئے

عربوں کو فن طب میں بڑا دخل تھا۔

دوسرا نامور شخص جس نے علم طب میں شہرت حاصل کی سسرتا تھا اسکی کتاب میں مختلف بیانات کا ذکر ہے اور مختلف قسم کے جڑ بھیل بھیل پھول تخم دودھ کا درخت کرطوے درخت گوند وغیرہ کا اور جن جن مقامات پر پیدا ہوتے ہیں ان کا بیان ہے نیز اس کتاب میں سسرتا کے مختلف طرح کے عرق نکالنے اور مرکب دلوں کے بنانے کے طریقے بتائے ہیں۔

علاوہ اس کے قدیم زمانے کے ہندوؤں کو ایسی بعض اور چیزوں کا بھی علم تھا جو دوا کے کام میں آسکتی ہیں۔ مثلاً پہاڑی نمک۔ پھٹگری۔ گندھک کیا ایک طیب جو تکلیف بہادری اور موت سے جنگ کرتا ہے ایسا ہی بہادری نہیں ہے جیسے بہادر رام چندر جی تھے جنہوں نے لنکا کے راکشوں سے جنگ کی اور زمین آسمان کو تیروں سے بھر دیا؟

یونانی

یونان میں ایک پہاڑی کے اوپر جھاڑیوں کے جھنڈ کے درمیان ایک مندر بنا ہوا تھا۔ اس مندر کا رخ ایسا تھا کہ ٹھیک دوپہر کے وقت اسکی عمارت پر اور اسکے اطراف کے درختوں اور ان مریضوں پر جو مندر کے برآسے میں مقیم تھے آفتاب کی شعاعیں بالکل سیدھی پڑنی تھیں۔

یہ مندر صحت کے دیوتا سے منسوب تھا اور جبکا مجسمہ (سورت) مندر کے بیچوں بیچ میں رکھا تھا اور بیمار لوگ وہاں آکر اسکے سامنے سر نیا زجھکاتے اور اپنی تندرستی کی دعا مانگتے تھے اس دیوتا کا نام اسکولا ہیں تھا اور اس کی صورت بہت بڑی بنائی گئی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایک زبردست عصا تھا دوسرا ہاتھ ایک سانپ کے سر پر رکھا تھا اور قدموں کے قریب ایک مہیب شکاری کتا پڑا تھا دیواروں پر چھت میں تصویریں بنی تھیں جن میں بہادر اوتار اژدہوں کو قتل کرتے ہوئے دکھائے گئے تھے اور کیو پڈ دیوتا کی صورت بھی ایک حسین لڑکے کی صورت میں بنائی گئی تھی جس کا بشاش چہرہ دیکھ کر غمگین آدمیوں کا رنج دور ہو جاتا تھا۔ کوٹھریوں اور برآمدوں میں چٹائیاں اور پلنگ بچھے تھے جن پر بیماروں کو رکھا تھے اور طبیب اُن کو کھانے اور پینے اور لگانے کی دوائیں دیتے تھے انکو غذا اور پرہیز بتاتے اور اپنی تندرستی کے لیے ایسکولا ہیں یا دوسرے دیوتاؤں کی دعا گاہ میں دعائیں مانگنے کا طریقہ سکھاتے تھے۔

اسی مندر میں پانسو سال قبل مسیح یونان کا مشہور طبیب بقراط اپنے کمال سے لوگوں کو فائدہ پہونچاتا تھا اُس نے اپنی ساری زندگی انسان کے بدنی حالات اور اسکی صحت اور بیماریوں کے اسباب کی تحقیقات میں صرف کر دی اس نے اپنی ایک کتاب میں ایسی اشیاء کے حالات لکھے جن کا تعلق انسان کی تندرستی سے ہے۔ مثلاً ہوا اور اسکے اثرات۔ دھوپ اور اسکے فواید پانی کے

اقسام۔ مکان بنانے کیلئے زمین کی موزونیت اور ناموزونیت اصول حفظان صحت کے لحاظ سے ایسے درختوں اور پودوں کا ذکر جو ہماری غذا کے کام آتے ہیں۔ یا ہمارے مکان کے اطراف اُگتے ہیں اور ان سے خوشبو یا زہریلی ہوا میں نکلتی ہیں۔ ان باتوں سے تم کو معلوم ہو گا کہ یونان کے عقلمندوں نے ہلکویہ سکھا یا باہ کہ رہنے مہنے کے طریقوں کو ہماری تندرستی میں بہت بڑا دخل ہے غرض کہ طیب کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ وہ ہلکوا اپنے اجسام کی خبر گیری کرنے کے طریقے بتائے بلکہ وہ ہلکویہ بھی سکھاتا ہے کہ ہم اپنے مقام بود و باش کی حالت کو بھی غور کرتے ہیں۔

مسلمان

شہر بخارا ایک نہایت خوشنما اور سرسبز مقام پر واقع ہے گو کہ اس مقام کے گھروں کی زمین بالکل ویران اور صحرائی ہے۔ شہر کی گلیاں تنگ ہیں۔ اور اسکے پنج میں نہریں کاٹ کر نکالی ہیں۔ یہاں سو سے زیادہ درس گاہیں ہیں جن سے بخارا تعلیم کا مرکز بن رہا ہے تقریباً ایک ہزار سال پہلے ایک ایرانی محصل کے ایک کم سن لڑکے کا نام بخارا اور اسکے قرب وجوار میں ہر شخص کی زبان پر چڑھا ہوا تھا دس سال کی عمر میں یہ لڑکا قرآن کا حافظ ہو گیا تھا اور اسکو صد ہا شعرزبانی یاد تھے۔ ایک سبزی فروش اسکو حساب سکھاتا تھا۔ اسکو کبھی ایسی کتابوں کے پڑھنے سے سیری نہیں ہوتی تھی جن سے اسکو نئی باتیں معلوم ہوتیں۔ جب

کبھی وہ اپنے سبق کا مطلب سمجھنے میں الجھتا جیسا کہ اکثر لڑکوں کا قاعدہ ہے تو وہ مسجد میں جا کر نماز ادا کرتا اور اللہ سے دعا کرتا یہاں تک کہ اسکی شکل حل ہو جاتی ہو اور جس چیز کو وہ دشوار سمجھتا تھا وہ اسکے لیے آسان ہو جاتی۔ ایک دفعہ اُس نے ایک کتاب کسی دوکان سے تھوڑی ہی قیمت میں خریدی جس کی اسکو بہت ضرورت تھی اس کتاب کے ملنے سے اُس کو اس قدر خوشی ہوئی کہ وہ عزیز ہو نگو خیرات دینے کے لیے بھاگتا کہ دوسرے بھی اس کی خوشی میں شریک ہوں۔

یہ لڑکا بو علی سنیّا تھا جو بہت بڑا طبیب اور عالم گذرا ہے۔ بو علی نے صرف اپنی زندگی ہی میں لوگوں کو دو اسے فائدہ نہیں پہنچایا بلکہ بہت سی طب کی کتابیں لکھ کر چھوڑ گیا جن کی وجہ سے اس کا علم ہمیشہ کے لیے زنده ہے اور اسکے بعد کی نسلیں آج اُس سے فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ جب وہ ایران بود و باش اختیار کرنے کی غرض سے آیا تو اصفہان کے امیر نے اس کو اپنے ملک کے تمام جگہوں کا افسر بنا دیا اس زمانے میں یہاں جنگ چھڑ گئی اور بو علی سنیّا کو طالبس روزنگ اپنے ایک دوست کے گھر میں پوشیدہ رہنا پڑا۔ اس حالت میں بھی بو علی نے اپنا وقت بیکاری میں نہیں صرف کیا۔ بلکہ وہ اس پر بھی اپنے فلم اور زبان سے کام لیتا یعنی کتابیں لکھتا اور لوگوں کو تعلیم دیتا رہا۔ شام کو علی کاموں سے فارغ ہونے کے بعد بو علی اپنے شاگردوں کو لے کے گاتا بجاتا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بو علی کی خوش مزاجی سعیت کی حالت میں بھی قائم تھی۔ آخری وقت میں بو علی

نے اپنا تمام مال و اسباب محتاجوں کو تقسیم کر دیا اور اپنی لونڈی اور غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اور اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ لوگ بو علی کو حکیموں کا سردار کہتے تھے اور جو لوگ طب حاصل کرنا چاہتے تھے وہ اسی کی کتابیں پڑھتے تھے۔ عرب بیور اور عیسائی بو علی کی عزت کرتے تھے۔

انگریز

گلاسگو ملک اسکاٹ لینڈ میں ششہ کے قریب ایک ہسپتال میں بہت سے مریض جمع تھے۔ یہ سب زخمی تھے اور اکثروں کی ہڈیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ ہر چند دایاں اور ڈاکٹر بیماریوں کی خبر گیری اور دوا علاج میں بہت کوشش کرتے تھے۔ مگر بیماریوں کو جلد شفا نہ ہوتی تھی۔ خاص کر ان لوگوں کی حالت بہت خراب تھی جن کے زخم کھلے ہوئے تھے۔ مگر اس کی وجہ سینے! جب اس کمرہ کی زمین کھودی گئی جس میں بیمار کھودے گئے تھے تو اسکے نیچے سے بہت سے ایسے صندوق برآمد ہوئے جن میں وہ مردے دفن کیے تھے جو اس وقت سے بیس سال پہلے طاعون کی بیماری سے مرے تھے۔ ان نعشوں کے جسم سے طاعون کی بیجے جو پیدا ہوئے تھے وہ زمین کے اوپر آکر مریضوں کے زخموں میں لپٹ گئے تھے جس کی وجہ سے ان کے خون میں زہر پھیل گیا تھا۔ اب خیال کرو کوئی درندہ تمہارے گھر کی طرف آنے لگے تو ضروری ہے کہ تم گھر کا دروازہ بند کر دو۔ اسی طرح اگر زہریلے بیجے زخموں کی طرف آنے لگیں تو زخموں کا بند کر دینا ضروری ہے؟

مگر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے اور زہر سے مقابلہ کرنے کی کیا تدبیر ہے؟ اس کے لیے ایسی کوئی چیز ہونی چاہئے جو زہر کو مارتی ہو یعنی اسکا اثر زایل کر سکتی ہو۔ گلاسکو کے ہسپتال میں ایک انگریز ڈاکٹر تھا۔ جس کا نام جوزف لسٹر تھا۔ جو ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے اس بارے میں اپنی عقل کو لٹرایا اور ایک ایسی چیز دریافت کی جو زہر کو مارتی ہے۔ یہ وافع زہر دو ایک مائیکروبائی (بہنے والی) چیز ہے جس میں کسی طرح کی بو نہیں ہوتی اور اگر اس کا ایک ذرہ سا قطرہ زبان پر رکھیں تو زبان جلنے لگتی ہے اور اسکو زیادہ مقدار میں پی لینے سے انسان مر جاتا ہے۔ یہ مائع چیز تارکول یعنی ڈامر سے نکلتی ہے اس کو کاربوئک ایسڈ کہتے ہیں۔ اگر تم اپنے استاد یا کسی ڈاکٹر سے کہو وہ تم کو دکھا دے گا۔ یہ ایک تیزاب ہے جو شیشیوں میں رکھا جاتا ہے۔ یہ تیزاب آدم کیڑوں کو مار ڈالتا ہے جو ہمارے خون کو زہر بنا کر دیتے ہیں ایسے زہریلے کیڑے ہمیشہ ہوا میں اڑتے رہتے ہیں جو لوگ نندرست اور ضعیف ہیں ان کو تو ان کیڑوں سے چندال نقصان نہیں پہنچتا مگر یہ زخموں میں بہت خطرہ اتر جاتے ہیں اور ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر لسٹر نے کاربوئک ایسڈ کو اسی کے تیل میں ملا کر اس میں روئی کو بھگوایا اور اسکے پھا ہے ان بیماریوں کے زخموں پر رکھے جو کسی طرح اچھے نہ ہوتے تھے۔ اسی طرح جب لسٹر کو زخموں میں نشتر وغیرہ دینے کی ضرورت ہوتی تو وہ اس کو تیزاب میں ڈبو لیتا تاکہ اسکے اثر سے کیڑے ہلاک ہو جائیں۔ غرض کہ کس طرح لسٹر

نے خطرے کا دروازہ بند کر دیا اور زہر کا اثر زخموں سے دور کر کے بیمار ونگو اچھا کیا اب بھی سب ڈاکٹر اس طریقے سے لاکھوں آدمیوں کو اچھا کرتے ہیں اور ہزار با آدمی جنگو لسٹر کے اس دافع زہر کی خبر نہیں ہے۔ وہ خون میں زہر کے سرایت کر جانے سے ہلاک ہو جاتے ہیں یہ ڈاکٹر بعد میں لارڈ لسٹر کے لقب سے مشہور ہوا اور تمام لوگ اس سے واقف ہیں۔

ہم نے ہندوستانی مسلمان اور انگریز طبیوں کا محقق حال تم سے بیان کر دیا۔ اب اگر تم بیمار ہو اور کسی ڈاکٹر کے پاس جاؤ تو کیا اسکو دیکھو گے کہ وہ ہندوستانی ہے غریب ہے یونانی ہے یا انگریز ہے۔ علم طب کی برکت اور اُسکے فائدے سب کیسے یکساں ہیں جس طرح ایک ہندوستانی ڈاکٹر ایک یورپین کی مدد کرنے کو تیار ہو اسی طرح ایک یورپین ڈاکٹر ایک ہندوستانی کی مدد کرے گا۔
ہم تم کو ایک قدیم قصہ سناتے ہیں اسے غور سے سنو۔

راتی دیو ایک راجہ تھا جس نے سلطنت چھوڑ کے فقیری اختیار کر لی تھی اور جنگلی میں رہا کرتا تھا اور اپنا سارا مال دولت محتاجوں کو تقسیم کر دیتا تھا اور اپنے بال بچوں کے لیے بہت تھوڑا سا رکھ لیا تھا۔ ایک دفعہ اسنے اڑتالیس دن کا روزہ رکھا۔ افطار کے وقت دودھ خشک اور شکر اُس کے سامنے رکھے گئے۔ اتفاق سے ایک غریب برہمن نے ماشکی جھوپڑی پر آکر سوال کیا راتھ دیوانے اپنے کھانے میں سے آدھا اسکو دیا اسکے جاتے ہی ایک شودر آکر بیوی بچا تھا اس میں سے آدھا راتھ دیوانے اسکو دیدیا جب وہ بھی چلا گیا تو ایک کتا آیا اور راتھ دیوانے کی طرف

دیکھنے لگا چونکہ کتے کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت بھوکا ہے راتنی دیوانے
 باقی کھانا اُسکو ڈال دیا سب سے آخر چند لا اُدھر سے گزرا اور اس نے بھی سوال کیا
 جو دو دھ اور شکر باقی تھی وہ راتنی دیوانے اُس کے حوالے کر دیا اور خود بھوکھا رہا
 اُس وقت چار دیوتا راتنی دیوا کے پاس آئے اور کہنے لگے؛
 اور راتنی دیواتو نے اس وقت جو خیرات دی اُسکے پانے والے ہم تھے کیونکہ ہم بھی
 برہمن شوور کتے چندال کا بھیس لیکر آئے تھے مگر تو نے ان سب کے ساتھ نیکی کی
 اور ہم تیری اس سخاوت سے بے انتہا خوش ہوئے۔

اس نقل کے بیان کرنے سے یہ مطلب ہے کہ جو لوگ نیک ہوتے ہیں وہ
 سب کے ساتھ کیسا نیکی کرتے ہیں بلکہ حیوانوں کے ساتھ بھی نیکی سے پیش آتے ہیں۔
 سائیس کی برکتیں ہر شخص تک پہنچانی چاہئیں خواہ وہ مشرق کرہنے والا ہو خواہ مغرب

سبق بیسواں

گھوڑے کی قربانی

قدیم زمانے میں دیوتاؤں کے نام پر گھوڑے کی قربانی چڑھانا بہت شہرک
 کام سمجھا جاتا تھا۔ یہ جانور خدا کی عمدہ مخلوقات میں سے نہایت عمدہ مخلوق ہے اسکا گنی
 سلوانا اور دوسرے دیوتاؤں کے نام پر فوج کیا جانا بجائے خود بہت اچھی قربانی تھی
 مگر انتہائی عقیدہ کا اظہار کرنے کیلئے اس قربانی کو اس طرح ادا کرتے تھے کہ جس کے عمل میں نخل احنیا اور

۱۲ نوٹ۔ یہ سبق کسی قدر عمر طلبیا کے لیے ہے ۱۲

عقیدت کا پتہ چلتا تھا جو رسمیں اس قربانی کے ساتھ ادائیگی جاتی تھیں ہم ان
 میں سے بعض کا ذکر کرتے ہیں۔ چاندی بھاری گھوڑے کو نہلاتے تھے سو اچھے کچھم جانب
 کھڑے ہوتے تھے اور ان کا رخ پورب طرف ہوتا تھا۔ سو ٹھہران اور حل وار یورب طرف
 کھڑے ہوتے تھے اور ان کا رخ کچھم جانب ہوتا تھا۔ سو ویش اور شودر جنوب کی طرف کھڑے
 ہوتے اور ان کا رخ شمال کی طرف ہوتا۔ اور سو چھتری شمال کی طرف کھڑے ہوتے اور اکاسٹھ
 جنوب کی طرف ہوتا اس طرح ایک چوکور حلقہ بنایا جاتا تھا جس کے اندر اس گھوڑے
 کو مارنے کیلئے کھڑا کرتے تھے۔ جب گھوڑے پر بانی ڈالا جاتا اس وقت سو منتری پڑھنے
 جاتے۔ ایک پوجاری گھوڑے کے کان کے قریب منہ سے جا کر اس مقدس حیوان کے
 مختلف نام لیتا۔ اسکے بعد پھر منتری پڑھنے اور اسکو سورا جاؤں کی حفاظت میں دیتے۔
 چار سو سردار سو چھتری سو شودر اور سو ویش اس کو حلقے میں ایسے ہوتے گیارہ
 مہینے تک ایک مقام سے دوسرے مقام پر پھراتے رہتے۔ اس گیارہ مہینے کی مدت
 میں وہ کسی وقت گھوڑے کو اپنی نگاہ کے سامنے سے دور نہ کرتے اور اسکو کوئی ہرز
 پہنچنے دیتے اور سو اس کام کے اور کوئی کام کرتے۔ گھوڑے کو جو کھلا کھلا کے خوب
 تیار کرتے گیدھوں میں مہینے میں اسکے لیے مندل کی لکڑی کا تھان تیار کیا جاتا اس کو قربانی
 کرنے سے پہلے ایک سو انسی پالو اور جنگلی جانوروں کی قربانی کی جاتی۔
 جب خود گھوڑے کی قربانی کا وقت آتا تو اس کو عطریات سو لگھاتے اور
 ایک ہزار چوب کا مالا سونے کے نارونہیں گوند کے اُسے پھاتے۔ ایک ڈیڑھ گلی میں تڑکے فرس

کرتے اس کے اوپر سے چمڑا اور اُس کے طلا کا زریں پوشن بچھانے اور یہاں گھوڑے کو قربانی کرتے۔ جب وہ دم توڑنے لگتا اُس وقت بچھن گائے جاتے۔ سات بار ایک عورت اُسکے ارد گرد پھرتی پھر اُسکو اور مردہ گھوڑے کو لال کپڑا اڑھاتے اور پوجاری دونوں کی تعریف میں بچھن گاتے۔ اُسکے بعد گھوڑے کی کھال کھینچی جاتی اُس وقت عورتیں گیت گاتیں۔ پھر نو سفید گائیں دوہیل چند پھیرے وغیرہ کی قربانی اس کے علاوہ کی جاتی۔ جو برہمن قربانی کے وقت بچھن اور اشلوک پڑھتے انکو ایک گاڑی دوہیل اور سودو دھر دینے والی گائیں دان کے طور پر دیجاتیں۔ ۱۷

جو کچھ اوپر مذکور ہوا یہ بطور فرض کے کیا جاتا۔ ہندوستان کے بزرگوں کو اُنکے پندتوں نے یہ بتایا تھا کہ تمام رسمیں نہایت تحمل اور استقلال کے ساتھ انجام دینی ضروری ہیں تاکہ دیوتا خوش ہو کر آدمیوں پر مہربانی کریں۔ گھوڑے کی قربانی قدیم ہندوؤں کے مذہبی مراسم کا ایک لازمی جزو تھی اور اُسکے متعلق جتنی رسمیں تھیں انہیں سے ہر ایک کو نہایت صبر و استقلال کیساتھ ادا کرنا ضروری تھا۔ اسی لیے ہم اُنکے اس تحمل اور استقلال کی عزت کرتے ہیں۔ مگر ایک کام اور بھی ہے جسکے لیے تحمل اور استقلال اور محنت و توجہ کی ضرورت ہے۔ ایسے اور بھی کام ہیں جنکے لیے تحمل و استقلال جفاکشی اور توجہ کی ضرورت ہے نیز نئی نوع انسان کے ایسے بہت سے خدمت گزار بھی ہیں جن کی عزت کرنی چاہئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو جمع علم میں محنت کرتے۔ موجودات عالم کا غور سے مطالعہ کرتے۔ اور ایسی باتوں کو دریافت کرتے ہیں جو دنیا کی ہر روزہ زندگی میں کارآمد ہوں۔

جس پوری تفصیل کے ساتھ ان مراسم کا ذکر کرنے کیلئے زیادہ وقت درکار ہے جو گھوڑے کی قربانی میں ادا کیے جاتے تھے۔ اسی طرح ان کا سونکا تفصیلاً ذکر کرنے کے لیے بھی بہت وقت درکار ہے جو سائنس کے متحمل اور جفاکش عالموں نے انجام دیئے ہیں۔ ان کے کاموں کی مختصر فہرست یہ ہے:-

انہوں نے کاشتکاروں کی زمین ناپنے کیلئے خطوط مستقیم مربع مثلث وغیرہ ایجاد کیئے۔ انہوں نے (۲۱-۳-۴) وغیر ایسے اعداد چھوٹے اعداد سے جن کو خوشی بھی گن لیتے ہیں بڑے بڑے اعداد نکالے جن سے زمین کا وزن اور ستاروں کی بلندی کا شمار کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے گنتی کا وہ اعلیٰ درجے کا علم نکالا جسکو علم حساب اور جبر و تقابلہ ریاضی کہتے ہیں۔ انہوں نے زمین کے گرد چاند کے گردش کرنے کے راستے کی پیمائش کی اور دریافت کیا کہ چاند چار ہفتے میں اس راستے کو طے کرتا ہے۔

سورج کی حالت کا اندازہ کر کے دریافت کیا کہ وہ دسمبر میں اس نقطے پر ہوتا ہے جو بہت نیچا ہے اور ماہ جون میں سب سے اونچے نقطے پر۔

ان دنیاؤں کو یعنی ان ستاروں کو دریافت کیا جو آفتاب کے گرد گھومتے رہتے ہیں۔ اس بات کو دریافت کیا کہ چاند اور سورج میں گہن کیوں لگتا ہے اور وہ کیوں سیاہ نظر آتے ہیں انہوں نے تارونکا حال دریافت کر کے اس کا ایک علم مرتب کیا جس کو علم نجوم یا علم میت کہتے ہیں۔

انہوں نے قدرت کے اس قانون اور قاعدے کو دریافت کیا جسکی وجہ جبریس اور پیرس

نیچے گرتی ہیں خواہ وہ ہاتھ سے اوپر ہاتھ سے اوپر پھینکی گئی ہوں یا کسی آلے کے ذریعے سے جیسے بندوق کی گولی پھینکی جاتی ہے اور اس قانون کو دریافت کیا جسکے اثر سے زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔

انہوں نے روشنی کی حقیقت کو اور اُس سے دھنک (قوس قزح) میں جو سات رنگ پیدا ہوتے ہیں اس کو اور تصویر کھینچنے کے طریقے کو دریافت کیا۔
برقی قوت کا پتہ لگایا جس سے ہموار روشنی حاصل ہوتی ہے جو ریل گاڑیوں۔
ٹرام گاڑیوں اور مشینوں کو چلاتی ہے۔ اور جسکے ذریعے ہم سے دور دراز ملکوں تک فٹوں میں خبر پہنچا سکتے ہیں۔

انہوں نے گرمی اور سردی کی مقدار معلوم کرنے کا طریقہ ایجاد کیا اور یہ دریافت کیا کہ گرمی اور سردی سے لکڑی۔ دھات اور پانی وغیرہ پر کیا اثر پڑتا ہے۔
اس بات کو دریافت کیا کہ ہوا آواز کو کس طرح لے جاتی ہے اور آلات موسیقی کے تاروں سے صدا کس طرح نکلتی ہے۔

بیلون (غبارہ) ایجاد کیا جو آسمان کی طرف اڑتا ہے اور بادلوں کے پار نکل جاتا ہے اور ہوائی جہاز کو ایجاد کیا جو عقاب کی طرح پرواز کرتا ہے۔
ریل گاڑی۔ دکانی جہاز اور ملین (گر نیاں) چلانے کیلئے اسٹیم انجن ایجاد کیئے۔
انہوں نے پانی کے نیچے مھوڑ (پتھروں) کے اور سمندر کے کنارے چٹانوں کے بننے اور پہاڑوں ندیوں کے بہاؤ سے گھاٹیوں کے پیدا ہونے کے عمل کا پتہ لگایا۔

(علم فرکس)

انھوں نے سٹی، ہوا، آگ، اور پانی کے اجزا کو جن سے یہ عناصر مرکب میں نمودار دیکھا اور ان کے خواص دریافت کیے۔

اس دُنیا کے بھیدوں کو آشکارا کر دیا جس کو مہاکرتا پراجہبی نے (جیسا کہ قدیم قصوں میں مذکور ہے) بنایا تھا۔ اکیسجین - ہیڈروجن (جن دونوں کے ملنے سے پانی بنتا ہے) نیٹروجن اور دوسری گیسوں کا پتہ لگایا۔

ٹین - تانبا - لوہا - سونا - چاندی وغیرہ دھاتوں کو دریافت کیا اور ایسی معدنی اشیاء کا پتہ لگایا - جیسے گندھک - فوسفورس - ریڈیم وغیرہ -

گول گاس - تارکول - رنگ - سوڈا - گندھک کا تیزاب - کاربونک ایسڈ وغیرہ بنانے کا طریقہ معلوم کیا (علم کیمیا یا کیمسٹری)

انھوں نے انسان اور حیوان کے اعضا - رگوں - پٹھوں اور ہڈیوں کے اعمال خواص کا علم حاصل کیا۔

حیوانات کے عادات معلوم اور ان کو گرفتار کرنے - ہلاک کرنے - پالنے اور آتن عمرہ ترین نسلیں پیدا کرنے کے طریقے دریافت کیے۔

حیوانات کے گوشت - ہڈی - سینگ - جھیرا - بال - نیس - پر اور گھونگولوں کو کام میں لانے کی ترکیبیں معلوم کیں۔

پودوں اور درختوں کے خواص و عادات اور لکے بونے اور کئی فعلیں درود کرنے یا مٹانے کے متعلق معلومات بہم پہنچائی اور اس بات کا علم حاصل کیا کہ باغ کس طرح لگایا جاتا ہے - لکڑی سے کیا کیا کام لیے جاتے ہیں چھالیں کن کن سفوفوں میں آتی ہیں اور

پتے جڑیں۔ رس اور پھل سے کیا کیا فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اور پھول کے درخت کس طرح لگائے جاتے ہیں کہ ان میں جنگلی پھولوں سے بہتر پھول آئیں۔
 معلوم کیا کہ کس طرح درختوں پر اُچکنے والا بند حیوانات کی دوسری انواع سے پیدا ہوا۔ اور یہ کہ خود انسان تناخ دکرما، کے طول طویل تسلسل کا نتیجہ ہے اور یہ کہ انسانیت کی روح اُس زمانے کے مقابلے میں جب کہ وہ جنگل کے حیوانوں کے درمیان گردش کرتا تھا۔ رفتہ رفتہ کیونکر مدراج ترقی پر پہنچا۔

علم بیالوجی

انہوں نے انسانوں کی مختلف نسلوں کی اصلیت کا پتہ لگایا۔ ایشیائی، افریقی اور یوکرینی۔ یورپین سفید۔ زرد۔ سیاہ وغیرہ۔

اور معلوم کیا کہ انسان نے آگ کے خواص کیونکر دریافت کیے جانور نکاپا لٹا اور بیج نکاپا لٹا کس طرح سیکھا۔ اُسکو مکان بنانا اور بل جل کر رہنا کس طرح آیا۔ وہ موجودات فطرت مثلاً پتھر۔ درخت۔ سورج چاند وغیرہ کی پرستش کیونکر کرتا تھا۔ انسان نے گاؤں اور قصبے۔ اور شہر کس طرح آباد کیے۔ اور اپنے لیے راج اور بادشاہ کس طرح انتخاب اور مقرر کیے۔ تجارت پیشہ اور زراعت پیشہ گروہ کیونکر پیدا ہوئے۔ ذاتوں کی تفریق کیونکر پیدا ہوئی اور کون کون بعض ملکوں میں اب تک باقی ہے اور بعض میں نہیں ہے مختلف انسانوں کی عملات کے طریقے کیا تھے مصر کے لوگ کن دیوتاؤں کو پوجتے تھے۔ یونان میں کیا دستور تھا اور روم میں کیا تھا۔ اور کس طرح مختلف قومیں ایک دوسرے کے حالات میں ان بہ اور سیاحت کے سفر ناموں کے ذریعے

سے واقف ہوئیں جنہوں نے خشکی اور سمندر کی راہوں کے بڑے بڑے سفر طے کئے تھے۔

(سوشیالوجی با علم سیاست مدن)

انہوں نے حق کو باطل سے اور بھلے کو بُرے سے اور قانون کو بُرم سے علیحدہ سکھایا کہ ایک خاندان کے لوگوں کو کس طرح باہم مل جل کر رہنا چاہئے اور مالک اور خادم - آقا - اور نوکر - بادشاہ اور رعایا کو آپس میں کیا تعلق رکھنے چاہئیں - خودداری - بچائی - انسان و حیوان کے ساتھ ہمدردی - انصاف اور سچے معنی سمجھائے اخوت یعنی انسانی بھائی چارہ - انسانیت اور امن و امان کے معنی سمجھائے۔

(علم اخلاق)

اور یہ علماء اب تک سیکھ رہے ہیں - غور کرتے ہیں - سوچتے ہیں - ایجادیں کرتے اور قدیم ایجادوں پر ترقی کرتے جاتے ہیں -

ہم کو تم کو بھی لازم ہے کہ اُن کے ساتھ سیکھنے چنے اور ترقی کرنے میں شریک ہو جاؤ۔ ہم تم بھی دنیا کی ترقی میں مدد کر سکتے ہیں۔ مگر ان تمام کاموں اور فرائض کیلئے استقلال کی ضرورت ہے۔

ہم قدیم زمانے کے بزرگوں کی پامردی اور استقلال کی عزت کرتے ہیں جو ہر جھوٹے سے جھوٹے کام کو جسکے دوتاؤنکے خویک نے کیلئے ضروری سمجھتے بڑے اسے مال سے کوٹتے تھے۔ ہم علماء سائنس کے استقلال اور کوششوں کی عزت کرتے ہیں جنہوں نے نئے نئے انسان کے قایم کیلئے مشقین اٹھائیں

ذوق - بیرے دوست برسرِ ڈی مبرینا بر کی راے میں سینق کم عمر طلباء کی بچھ سے بالا ہے ایلئے میں نے سکو

بڑی عمر کے طلباء کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ اس سبق سے میرا مشاہدہ ہے کہ طالب علموں کو سرسری طور پر معلوم ہو جائے کہ علمائے سائنس کی پامردانہ تحقیقات سے کیا کیا نتائج برآمد ہوئے ہیں ۱۲

تمام شد

۱۷۰۵ گ - ب

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرا نہ لیا جائیگا۔

۱۷۰۵۲ گ - ط

مولانا مفتوح علی
طریق سعادت

کتابخانه
جامعہ اسلامیہ
۱۔ اراکین مجلس

۲۔ اراکین مجلس
۳۔ اراکین مجلس

۴۔ اراکین مجلس
۵۔ اراکین مجلس

۶۔ اراکین مجلس
۷۔ اراکین مجلس

۸۔ اراکین مجلس
۹۔ اراکین مجلس

۱۰۔ اراکین مجلس
۱۱۔ اراکین مجلس

۱۲۔ اراکین مجلس
۱۳۔ اراکین مجلس

۱۴۔ اراکین مجلس
۱۵۔ اراکین مجلس

۱۶۔ اراکین مجلس
۱۷۔ اراکین مجلس

۱۸۔ اراکین مجلس
۱۹۔ اراکین مجلس

۲۰۔ اراکین مجلس
۲۱۔ اراکین مجلس

